امام اعظم ابوحنیفہؒ
(المتوفٰی ۱۵۰ھ)

اور

حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ
(المتوفٰی ۲۳۵ھ)

مؤلف

مولانا مفتی علی معاویہ بہاری

ادارۃ النعمان، پیپلز کالونی، گوجرانوالہ

امام اعظم ابو حنیفہ رح (المتوفی ۱۵۰ھ)

اور

حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ رح (المتوفی ۲۳۵ھ)

حصہ دوم

مؤلف

مولانا مفتی علی معاویہ بہاری

(فاضل مدرسہ انوار العلوم، شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ)

ناشر

شعبہ نشر واشاعت ادارۃ النعمان، پیپلز کالونی، گوجرانوالہ

نام کتاب	امام اعظم ابوحنیفہؒ اور حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہؒ
تالیف	مولانا مفتی علی معاویہ بہاری
کمپوزنگ	ماہیر گرافکس
صفحات	208
تاریخ طبع اول	ستمبر 2024
قیمت	
تعداد	

ضروری اعلان:

اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ ہم نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ زیر کتاب میں کوئی غلطی نہ ہو لیکن پھر بھی اگر کسی قسم کی کوئی غلطی دیکھیں تو ضرور مطلع فرمائیں۔ ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے تاکہ اگلے ایڈیشن میں تصحیح کی جاسکے۔ شکریہ

احقر العباد

علی معاویہ بہاری

فہرست مضامین

❁❁❁

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم اما بعد!

ناظرین کرام ہم نے کچھ عرصہ قبل اس کتاب کا حصہ اول شائع کیا تھا جس میں امام ابن ابی شیبہؒ کے پچیس (۲۵) اعتراضوں کا جواب تھا اس حصہ دوم میں اعتراض نمبر ۲۶ سے لے کر اعتراض نمبر ۷۵ تک پورے پچاس اعتراضوں کا جواب ہے۔ ان شاء اللہ حصہ سوم میں اعتراض نمبر ۷۶ سے لے کر اعتراض نمبر ۱۲۵ تک بقایا پچاس اعتراضوں کا جواب آئے گا۔

یہ کتاب ان شاء اللہ تین حصوں میں مکمل ہو جائے گی۔ حصہ سوم بھی زیر ترتیب ہے۔ اللہ تعالٰی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں حرف قبولیت بخشے اور راقم اثیم اس کے والدین، جمیع اساتذہ کرام کے لئے ذریعہ نجات بنائے اور ہمارے دلوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تمام فقہاء واولیاء بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کی محبت پیدا فرمائے اور ان حضرات کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینِ اسلام پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

احقر العباد

علی معاویہ بہاری

۶ ذوالقعدہ ۱۴۴۵ھ بمطابق ۱۵ مئی ۲۰۲۴ بروز بدھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراض نمبر ۲۶:

ایسے معذور امام کی اقتدا کرنا جو بیٹھ کر نماز پڑھائے

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے چار روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن عائشة قالت اشتكى النبی صلى الله عليه وسلم فدخل عليه ناس من اصحابه يعودونه فصلى النبی صلى الله عليه وسلم جالسًا فصلوا بصلاته قيامًا فاشار اليهم ان اجلسوا فجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا صلى جالسًا فصلوا جلوسًا. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۷۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف لاحق ہوئی تو صحابہ کرامؓ میں سے کچھ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کرنے کے لیے حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ فرمایا تو وہ لوگ بیٹھ گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ امام اسی لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو جب وہ سر اٹھائے تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة قال لا يؤم الامام وهو جالس. (ایضًا)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ امام بیٹھا ہو تو اس کی اقتدا (میں بیٹھنا) درست نہیں ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی صحت مند ہو اور وہ ایسے مریض امام

کے پیچھے نماز پڑھے جو قیام پر قادر نہ ہو بلکہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کو چاہیے کہ وہ ایسے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد مالکی (المتوفی ۵۹۵ھ) فرماتے ہیں:

انهم يصلون خلفه قيامًا قال ابو عمر بن عبد البر وعلى هذا جماعة فقهاء الامصار الشافعي واصحابه وابو حنيفة واصحابه (الى ان قال) وزاد هؤلاء فقال يصلون وراءه قيامًا وان كان لا يقوى على الركوع والسجود بل يؤمي ايماء. (بداية المجتهد، جلد١، ص ٣٦٨، مكتبه ابن تيميه)

مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے ابو عمر بن عبد البر فرماتے ہیں یہی فقہاء کا مذہب ہے امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب، امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب وغیرہ کا یہی قول ہے (آگے مزید فرماتے ہیں) ان حضرات نے مزید فرمایا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کھڑے ہو نماز پڑھیں گے اگرچہ امام رکوع اور سجود پر قادر نہ ہو بلکہ وہ اشارے سے (ہی) نماز پڑھ رہا ہو۔

امام صاحبؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ (البقرہ:۲۳۸)

''خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نمازی کو مطلق قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا اگر نمازی قیام پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیے قیام کرنا نماز میں فرض ہے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال كان لى الناصور فسألت النبى صلى الله عليه وسلم فقال صل قائمًا

فان لم تستطع فقاعدًا فان لم تستطع فصلی جنب.

(ابوداؤد، جلد ۱، ص ۱۳۷، حدیث نمبر ۹۵۲)

فرماتے ہیں مجھے بواسیر کی بیماری تھی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہوکر نماز پڑھو، اگر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو (لیٹ کر) پہلو کے بل پڑھو۔

دلیل نمبر ۳:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مرض الوفات کے دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم کرو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

فامروا ابا بکر فلما دخل فی الصلاۃ وجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نفسہ خفۃ قالت فقام یھادی بین رجلین ورجلاہ تخطان فی الارض فلما دخل المسجد سمع ابو بکر حسہ فذھب لیتأخر فأوما الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قم کما انت قالت فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قام عن یسار ابی بکر جالسًا فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی بالناس جالسًا وابو بکر قائمًا یقتدی ابوبکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والناس یقتدون بصلاۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ.

(سنن النسائی جلد ۱، ص ۱۳۳، حدیث نمبر ۸۳۴)

لوگوں نے ابوبکرؓ کو حکم دیا جب انہوں نے نماز شروع کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ ہلکا پن محسوس کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور دو آدمیوں کے سہارے چل کر آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں زمین سے گھسٹ رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو ابوبکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی آہٹ سنی اور وہ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ تم جیسے کھڑے ہو ویسے کھڑے رہو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ابوبکرؓ کے بائیں جانب بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور ابوبکرؓ کھڑے تھے ابوبکرؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکرؓ کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔

اس روایت میں صاف موجود ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عذر کی وجہ سے بیٹھ کر امامت فرما رہے تھے۔

ان دلائل سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ اگر نمازی تندرست ہے اور کوئی شرعی عذر بھی موجود نہیں تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ابن ابی شیبہؒ نے جو روایات نقل کی ہیں کہ معذور امام کے پیچھے مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھے یہ پہلے زمانے کا حکم تھا جو منسوخ ہو گیا تھا کیونکہ مرض الوفات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھڑے ہو کر اقتدا کی اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم باقی ہوتا تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کبھی کھڑے ہو کر نماز نہ ادا فرماتے۔

امام بخاریؒ اپنے استاد امام حمیدی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں

قال الحميدی قوله اذا صلی جالسًا فصلوا جلوسًا هو فی مرضه القديم ثم صلی بعد ذالك النبی صلی الله غليه وسلم جالسًا والناس خلفه قيامًا لم فامرهم بالقعود وانما يؤخذ بالآخر فالاخر من فعل النبی صلی الله عليه وسلم. (بخاری، جلد۱، ص۹۶، حدیث نمبر ۶۸۹)

امام حمیدی نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا (یہ) فرمان کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرانی (پہلے کی) بیماری کی حالت میں تھا پھر اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے (ہو کر اقتدا کر رہے) تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور

(اصل یہ ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو اختیار کیا جائے اور پھر جو اس سے آخری ہو۔

ایک دوسرے مقام پر امام بخاریؒ اس حدیث کے منسوخ ہونے کے متعلق اپنے استاد امام حمیدی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

قال الحمیدی: ھذا الحدیث منسوخ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم آخر ما صلی صلی قاعدًا والناس خلفه قیام.

(بخاری، جلد۲، ص ۸۴۵، حدیث نمبر ۵۶۵۸)

حمیدی نے فرمایا یہ حدیث (جس میں مقتدی کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ذکر ہے معذور امام کے پیچھے) منسوخ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر (مرض الوفات) میں نماز بیٹھ کر پڑھائی ہے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتدا کر رہے تھے۔

قارئین کرام! ان تمام حوالہ جات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ امام صاحب کا مذہب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۷:

حرمت رضاعت کے لیے ایک عورت کی گواہی

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے دو روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما یجوز فی الرضاعة من الشھود قال رجل او امرأة. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۸، ص ۳۷۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ رضاعت میں کتنے گواہوں کی گواہی جائز ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی یا ایک عورت۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة قال لا يجوز الا اكثر (ايضًا)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں (ایک عورت کی گواہی) جائز نہیں (ایک سے) زائد کی جائز ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ جن معاملات میں مرد وعورت دونوں مطلع ہو سکتے ہیں ان معاملات میں گواہی کا نصاب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں لہٰذا ان معاملات میں مردوں کے بغیر محض عورتوں کی گواہی قابل اعتبار نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ا:

گواہی کے نصاب کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ (البقرہ:۲۸۲)

اور گواہ بناؤ دو گواہ اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو (گواہ بناؤ) ایک مرد دو عورتیں۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایسے ہی مسئلہ میں جس میں ایک عورت نے خاوند بیوی کے بارے میں دعویٰ کیا کہ اس نے ان دونوں کو دودھ پلایا تھا اپنے قاضی سے فرمایا۔

فرق بينهما ان جاء ت بينة والا فخل بين الرجل وامرأته الا ان يتنزها ولو فتح هذا الباب لم تشأ امرأة ان تفرق بين الزوجين الا فعلت.

(فتح الباری، جلد۸، ص ۳۳۵، مکتبة الرسالة العالمیه)

خاوند بیوی کے درمیان تفریق کر دو اگر وہ عورت گواہی (یعنی نصاب کے مطابق دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں) لے آئے وگرنہ مرد اور عورت کے درمیان نکاح کو بحال رکھا جائے مگر یہ کہ وہ دونوں (خود) اس (شبہ والی چیز) سے بچیں اور اگر (ہم ان میں اس طرح کے دعووں

سے) تفریق کا دروازہ کھول دیں تو کوئی عورت نہیں ارادہ کرے گی مرد وعورت کے درمیان جدائی ڈالنے کا مگر وہ ایسا کر گزرے گی (یعنی وہ ان کے درمیان جدائی پیدا کر دے گی۔)

دلیل نمبر ۳:

حافظ ابن حجر نقل فرماتے ہیں:

وقد اخرج ابو عبید عن طریق عمر، والمغیرة بن شعبة وعلی بن ابی طالب وابن عباس انهم امتنعوا من التفرقة بین الزوجین بذالك.

(فتح الباری، جلد ۸، ص ۳۳۵)

ابوعبید نے حضرت عمرؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی سند سے روایات نقل کی ہیں کہ یہ تمام حضرات زوجین کے درمیان اس طریقہ سے (یعنی ایک عورت کی گواہی پر) جدائی کرنے کو منع فرماتے تھے۔

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ گواہی کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں لہٰذا مرد کے بغیر محض عورت کی گواہی مقبول نہیں اور رضاعت کے مسئلے میں بھی صرف ایک عورت کی گواہی کی وجہ سے مرد اور عورت کے درمیان جدائی کرنا درست نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

پہلی روایت کا جواب:

ان دونوں روایات میں سے پہلی روایت میں یہ بات کہیں بھی مذکور نہیں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ایک عورت کی گواہی کو رضاعت کے معاملے میں قابل قبول فرمایا ہو بلکہ اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہما کو اپنی بیوی کے چھوڑنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس عورت کے ایسا کہنے سے رضاعت کا شبہ پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے لوگ بھی تنقید واعتراض کرنے سے پیچھے نہ رہتے اور ازدواجی زندگی پر برا اثر پڑتا اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط کے جدائی کا حکم فرمایا نہ کہ قانونی فیصلے کے طور پر۔ اس کے مختلف دلائل ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبرا:

بخاری میں روایت موجود ہے

انہ تزوج ام یحیٰی بنت ابی اهاب قال فجاء ت امۃ سوداء فقالت: قد ارضعتکما فذکرت ذلك النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاعرض حتی قال: فتنحیت فذکرت ذلك لہ قال وکیف وقد زعمت ان قد ارضعتکما فنهاه عنها. (بخاری جلد ۱، ص ۳۶۳، حدیث نمبر ۳۶۵۶)

عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے ام یحیٰی بنت ابی اہاب سے نکاح کیا پھر ایک سیاہ رنگ کی باندی آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ (عقبہ بن حارث فرماتے ہیں) میں نے اس بات کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے مجھ سے اعراض کیا (منہ پھیرلیا) تو پس میں جدا ہو گیا میں نے پھر اس بات کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نکاح) کیسے (باقی رہ سکتا ہے) حالانکہ اس عورت کا خیال ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ام یحیٰی کو ساتھ رکھنے سے منع فرمادیا۔

اور سنن دار قطنی میں ہے کہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فاتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسألتہ فاعرض عنی، ثم سألتہ فاعرض عنی، ثم سألتہ فاعرض عنی وقال فقال فی الرابعۃ او الثالثۃ.

(دار قطنی جلد ۳، ص ۴۱۰، حدیث نمبر ۴۲۹۰، مکتبہ دار المعرفۃ بیروت)

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اعراض کیا میں نے دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے رخ پھیر لیا میں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے منہ پھیر لیا پھر میں نے چوتھی مرتبہ یا شائد تیسری مرتبہ مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اس روایت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حرمت رضاعت کے لیے ایک عورت کی

گواہی مقبول نہیں کیونکہ جب حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتانے سے اعراض فرمایا اور سنن دار قطنی کی روایت کے مطابق تین چار مرتبہ مسئلہ پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لہٰذا اگر حرمت رضاعت کے لیے محض ایک عورت کی گواہی شرعاً قابل اعتبار ہوتی تو پہلی مرتبہ ہی مسئلہ پوچھنے پر حکم صادر فرما دیتے کہ تم اپنی بیوی سے جدا ہو جاؤ کیونکہ رضاعت ثابت ہوگئی ہے اور نکاح تمہارا باطل ہو گیا ہے۔

ثانیاً: اسی روایت میں جو الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں وہ بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم محض مصلحت کی وجہ سے دیا تھا نہ کہ عمومی قانون کے طور پر چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیف وقد زعمت'' (یعنی نکاح) کیسے باقی رہ سکتا ہے حالانکہ اس عورت کا خیال ہے کہ اس نے تم دونوں دودھ پلایا ہے) اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے ''و کیف وقد قیل'' (یعنی کیسے (تم اس کو پاس رکھو گے) حالانکہ اس نے ایسی (شبہ والی) بات کہی ہے۔ اگر محض ایک عورت کی گواہی سے نکاح باطل ہو جاتا ہے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ نہ فرماتے بلکہ صاف فرماتے کہ تیرا نکاح باطل ہو گیا ہے اس کی بات سے۔

دلیل نمبر ۲:

اس عورت کا یہ دعویٰ محض جھوٹ تھا کیونکہ اس کے دودھ پلانے کی اطلاع نہ عقبہ بن حارث کو تھی نہ ہی لڑکی اور اس کے گھر والوں کو اور نہ ہی اس عورت نے اس سے پہلے کبھی اس بات کی اطلاع ان کو دی تھی۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عقبہ بن حارثؓ نے اس عورت سے کہا۔

ما اعلم انك ارضعتنی ولا اخبرتنی (بخاری جلد ۱، ص ۱۹، حدیث نمبر ۸۸)

میں نہیں جانتا کہ تو نے مجھے (کبھی) دودھ پلایا ہے اور نہ ہی (کبھی) مجھے اس کی خبر دی ہے۔

اور ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت میں ہے۔

سألت اھل الجاریتنا نکروا

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۸،ص ۳۷۸،حدیث نمبر۳۷۲۹۰)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس بارے میں لڑکی والوں سے پوچھا ہے انہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

ان روایات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اس بات کی اطلاع کسی کو نہ تھی کہ اس خاتون نے عقبہ بن حارث اوران کو زوجہ کو دودھ پلایا تھا۔حالانکہ اس بات کی کسی کو اطلاع نہ ہوا ایسا ممکن نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ یہ محض افسانہ تھا حقیقت نہیں لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی جدائی کا حکم دیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ جدائی مصلحت کے پیش نظر تھی۔

دوسری روایت کا جواب:

یہ روایت اگرچہ اپنے مضمون کے اعتبار سے صریح ہے لیکن سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اس میں دوراوی مجروح ہیں،ملاحظہ فرمائیں۔

اس سند میں ایک راوی محمد بن عثیم ہے جس کے متعلق امام فن اسماء الرجال امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) نقل فرماتے ہیں کہ

(۱)قال ابو حاتم: لا یکتب حدیثہ

(میزان الاعتدال جلد۴،ص۲۰۳، مکتبہ وحیدیہ پشاور)

امام ابوحاتم نے فرمایا کہ محمد بن عثیم کی روایتیں نہ لکھی جائیں۔

(۲)وقال ابن معین مرۃ: ھو کذاب (ایضًا)

ایک مرتبہ یحیٰ بن معین نے فرمایا کہ ابن عثیم کذاب (جھوٹا) راوی ہے۔

(۳)وقال الدار قطنی: ضعیف (ایضًا)

امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ محمد بن عثیم ضعیف ہے۔

سند میں دوسرا راوی محمد بن عبد الرحمٰن السلیمانی ہے اس کے متعلق امام ذہبی نقل فرماتے ہیں:

قال البخاری و ابو حاتم: منکر الحدیث. (میزان الاعتدال جلد۴،ص۱۷۸)

امام بخاری اور ابو حاتم فرماتے ہیں کہ محمد بن عبد الرحمٰن البیلمانی منکر الحدیث ہے۔

(۲)وقال الدار قطني وغيره: ضعيف (ايضًا)

امام دار قطنی اور دیگر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہے۔

اور اسی طرح اس روایت کی سند کے متعلق امام بیہقی فرماتے ہیں۔

فهذا اسناد ضعيف لا تقوم بمثله الحجة محمد بن عثيم يرمي بالكذب وابن البيلماني ضعيف وقد اختلف عليه في متنه فقيل هٰكذا وقيل رجل وامرأة وقيل رجل وامرأتان والله اعلم.

(بیہقی جلد ۷، ص ۴۶۷، حدیث نمبر ۱۵۶۸۳، مکتبہ دار الکتب العلمیہ)

یہ اسناد ضعیف ہیں اس طرح کی سندوں کی بنیاد پر حجت (دلیل) قائم نہیں کی جا سکتی۔ محمد بن عثیم پر جھوٹا ہونے کا الزام ہے اور عبد الرحمٰن البیلمانی ضعیف ہے۔ اور اس کے متن میں اختلاف کیا گیا ہے۔ (یعنی وہ یہ روایت بھی مختلف الفاظ سے نقل کرتا ہے کبھی کہتا ہے ایک مرد یا ایک عورت اور کبھی کہتا ہے ایک مرد اور دو عورتیں۔)

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند ضعیف ہے اور نا قابل اعتماد ہے۔ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ نے کسی حدیث کی مخالفت نہیں کی۔

اعتراض نمبر ۲۸:

زوجین میں سے کسی ایک کا اسلام قبول کر کے دار السلام میں آ جانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبي صلى الله عليه وسلم رد ابنته زينب على ابي العاص بعد سنتين بنكاحها الاول. (مصنف ابن ابي شيبه جلد۸، ص ۳۷۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت زینب کو ابو العاص کے پاس دو سال بعد پہلے نکاح کے ساتھ واپس فرما دیا۔

ان روایت کونقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال یستانف النکاح

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں (ایسی صورت میں) نکاح کی تجدید کی جائے گی۔

جواب:

زوجین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت:

دونوں دارالسلام میں ہوں اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کرلے تو اس صورت میں قاضی وقت دوسرے کو اسلام کی دعوت دے گا اگر اسلام قبول کرلے تو دونوں کا نکاح برقرار وقائم رہے گا اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کردے تو قاضی دونوں کے درمیان تفریق کردے گا۔

چنانچہ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں:

وان اسلمت المرأة وزوجها کافر عرض القاضی علیه الاسلام فان اسلم فھی امرأته وان ابی فرق بینھما وکان ذلك طلاقا عند ابی حنیفة ومحمد وان اسلم الزوج وتحته مجوسیة عرض علیھا الاسلام فان اسلمت فھی امرأته وان ابت فرق القاضی بینھما. (ہدایہ، جلد۲، ص۳۶۵، مکتبہ رحمانیہ)

اگر بیوی اسلام لے آئے اور شوہر کافر ہو تو قاضی اس کو اسلام کی دعوت دے گا اگر وہ شوہر بھی اسلام قبول کرلے تو وہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کردے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا اور یہ تفریق امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد کے نزدیک طلاق ہوگی۔ اور اگر شوہر اسلام قبول کرلے اور اس کی بیوی مجوسیہ ہے تو اس عورت پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کرلے تو وہ اس کی بیوی ہی ہوگی اور اگر انکار کردے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا۔

نوٹ:

یہ اس صورت میں ہے جب بیوی مجوسیہ ہو لیکن اگر بیوی کتابیہ ہو یعنی اہل کتاب میں سے جیسے یہودی، عیسائی تو شوہر کے اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان کے درمیان جدائی نہیں کی جائے گی بلکہ وہ اس کی بیوی ہی ہوگی۔

دوسری صورت:

دونوں دارالحرب میں ہوں اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو جب تک عورت کو تین حیض نہ آ جائے تو جدائی واقع نہیں ہوگی تین حیض آ جانے کے بعد وہ اپنے خاوند سے جدا ہو جائے گی ہاں اگر کمسنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا وہ تو تین ماہ عدت گزارے گی اس کے بعد وہ خاوند کے نکاح سے نکل جائے گی۔

وان اسلمت المرأة فی دار الحرب وزوجها کافر او اسلم الحربی وتحته مجوسیة لم یقع الفرقة علیها حتی تحیض ثم تبین من زوجها.

(ہدایہ، ص ۳۶۶)

اگر بیوی نے دارالحرب میں اسلام قبول کیا اور اس کا شوہر کافر ہو یا حربی مسلمان ہو جائے اور اس کے نکاح میں کوئی مجوسی عورت ہو تو تین حیض آنے سے پہلے عورت پر جدائی واقع نہیں ہوگی تین حیض آ جانے کے بعد وہ اپنے خاوند سے بائنہ (جدا) ہو جائے گی۔

تیسری صورت:

زوجین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے اور دارالحرب سے دارالسلام میں ہجرت کر کے آ جائے تو ان کا نکاح فی الفور ختم ہو جائے گا۔

واذا خرج احد الزوجین الینا من دار الحرب مسلمًا وقعت البیونة بینهما. (هدایه ص ۲۶۶)

جب زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دارالحرب سے نکل کر ہماری طرف (دار السلام میں) آ گیا تو زوجین کے درمیان (فی الفور) فرقت واقع ہو جائے گی۔

ابن ابی شیبہؒ نے امام ابوحنیفہؒ پر جو اعتراض کیا ہے وہ مذکورہ تیسری صورت کے متعلق ہے۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا استدلال قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبرا:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهَاجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَا اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَا اَنْفَقُوْا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (الممتحنہ:۱۰)

اے ایمان والو! جب آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں وطن چھوڑ کر تو ان کو جانچ لو اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پھر اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو کافروں کی طرف نہ یہ عورتیں حلال ہیں ان (کافروں) کو اور نہ وہ (کافر) حلال ہیں ان عورتوں کو اور دے دو ان کافروں کو بھی جو ان کا خرچ ہوا ہو اور گناہ نہیں تم کو کہ نکاح کر لو ان عورتوں سے جب دو ان کو ان کا مہر۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی اعظم مولانا مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے اور یہ اس اس پر حرام ہو چکی ہے اس آیت میں اس حکم کا تکملہ یہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے اگر چہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا ہے اس دوسرے مرد سے اس کا نکاح

حلال ہوگیا۔کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح کا فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کسی وقت جائز ہوگا اس کے متعلق امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہوگئی اس وقت کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہیں ہوسکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی ہو۔ دار الکفر یا دار الحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو وہ شوہر سے اسلام کا کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جاسکے اس لیے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دار السلام میں آ جائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آ جائے۔ (معارف القرآن جلد ۸، ص ۴۱۳، مکتبہ معارف القرآن کراچی)

دلیل نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

ان رسول الله صلى الله عليه سلم رد ابنته زينب على ابى العاص بن ربيع بمهرٍ جديدٍ و نكاح جديد (ترمذی جلد ا ص ۲۱۷ حدیث نمبر ۱۱۴۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی زینب کو ابو العاص کے پاس نئے مہر اور نئے نکاح کے ذریعے لوٹا دیا۔

دلیل نمبر۳:

حضرت ابو العاصؓ جب دوبارہ مدینہ طیبہ آئیں اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے پناہ طلب کی تو انہوں نے پناہ دے دی اس موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا

اى بنيه اكرمى مثواه ولا يخلصن اليك فانك لا تحلين له

(السيرة النبويه لابن هشام جلد ۲ ص ۲۹۹، مکتبہ دار الکتاب العربی)

اے بیٹی ابوالعاص کے لیے رہنے کا اچھا انتظام کرو (اس کی اچھی خاطر داری کرو) لیکن اس کو ہرگز اپنی طرف آنے نہ دینا (اپنے ساتھ خلوت میں نہ آنے دینا) کیونکہ تم اس کے لئے حلال نہیں ہو۔

قارئین کرام! قرآن کریم کی آیت کریمہ اور احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ اگر عورت، دارالحرب میں اسلام قبول کر کے دارالسلام میں ہجرت کر کے آجائے تو اس عورت کا نکاح اپنے کافر خاوند سے ہجرت کرتے ہی ختم ہو جائے گا جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

اس کے مختلف جوابات ہیں۔

جواب نمبر۱:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں ایک راوی داؤد بن حصین ہے جو متکلم فیہ راوی ہے اس روایت کو داؤد بن حصین عکرمہ سے نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں۔

ما رواه عن عكرمة فمنكر (میزان الاعتدال جلد۲ ص۵ دارالمعرفۃ)

داؤد بن حصین جو روایت عکرمہ سے نقل کریں وہ منکر ہوتی ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

احاديثه عن عكرمة مناكير (ایضًا)

داؤد بن حصین کی عکرمہ سے روایت منکر ہوتی ہے۔

امام عباس دوری فرماتے ہیں۔

كان داؤد بن حصين عندى ضعيفًا (ایضاً)

داؤد بن حصین میرے نزدیک ضعیف ہے۔

جواب نمبر۲:

حدیث ابن عباس قرآن کریم کی آیت کے خلاف ہے کہ جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے

اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اگر کوئی روایت قرآن کریم کے مخالف ہو تو وہ حجت نہ ہو گی بلکہ قرآن کریم کو اصل قرار دیں گے اور حدیث کی ایسی تاویل کریں گے کہ قرآن کریم سے اس حدیث کا تعارض نہ رہے

چنانچہ شمس الائمہ سرخسی الحنفی (المتوفی ۴۹۰ھ) فرماتے ہیں۔

اذا كان الحديث مخالفاً لكتاب الله تعالى لا يكون مقبولا ولا حجة للعمل به عاما كانت الآية او خاصا نصا او ظاهرًا عندنا على ما بينا ان تخصيص العام بخبر الواحد لا يجوز ابتداء، و كذلك ترك الظاهر فيه و الحمل على نوع من المجاز لا يجوز بخبر الواحد.

(اصول سرخسی جلد ا، ص ۳۶۴ مکتبہ احیاء المعارف دکن)

جب حدیث کتاب اللہ کے مخالف ہو تو ہمارے (حنفیہ کے) نزدیک مقبول اور عمل کے لیے حجت نہیں ہے۔ خواہ آیت عام ہو یا خاص نص ہو یا ظاہر جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ خبر واحد کے ذریعے عام کو خاص کرنا ابتدا جائز نہیں اور اسی طرح خبر واحد کی وجہ سے ظاہری معنی چھوڑ دینا اور مجاز کی قسم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب نمبر ۳:

یہ روایت قابل عمل نہیں ہے تمام علماء اور فقہاء کے ہاں یہ روایت معمول بہا نہیں ہے بلکہ تمام حضرات کا عمل عمرو بن شعیب والی روایت پر ہے چنانچہ ابن شیبہؒ کے استاد اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے راوی امام یزید بن ہارون فرماتے ہیں۔

حديث ابن عباس اجود اسناداً والعمل على حديث عمرو بن شعيب.

(ترمذی جلد ا ص ۲۱۷، قدیمی کتب خانہ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سند کے اعتبار سے جید ہے لیکن عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔

اور اسی طرح حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی الحنفیؒ فرماتے ہیں۔

فحدیث عمرو بن شعیب علیه عمل العلماء وان کان ضعیفا و حدیث ابن عباس قوی کمال قال الترمذی لا بأس باسناده ولکنه مخالف لحدیث عمرو بن شعیب و مخالف لمذهب جمیع العلماء ولم یذهب الیه احد.

(التقریر ترمذی لشیخ الہند ص۳۳)

عمرو بن شعیب کی حدیث پر علماء کا عمل ہے اگرچہ سنداً کمزور ہے اور حدیث ابن عباس سنداً قوی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے فرمایا "لا باس" اس کی سند میں کوئی حرج نہیں لیکن حدیث ابن عباس عمرو بن شعیب کی حدیث اور تمام علماء کے مذہب کے خلاف ہے۔ اور علماء میں سے کسی نے بھی اس (حدیث ابن عباس) کے موافق مذہب اختیار نہیں کیا۔

ان عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ علماء فقہاء کے ہاں معمول بہا روایت عمرو بن شعیب والی ہے اگرچہ وہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے لیکن اصول حدیث کے مطابق عمرو بن شعیب والی روایت صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے اصول حدیث کا ضابطہ ہے کہ اگرچہ کوئی روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہو لیکن اس روایت کو امت قبول کر لے اسے تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو تو اس روایت کا ضعف ختم ہو جاتا ہے اور وہ حدیث صحیح کہلاتی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۹۶ھ) رقم فرماتے ہیں۔

قد یحکم للحدیث بالصحة اذا تلقا الناس بالقبول.

(قواعد فی علوم الحدیث ص۶۰، مکتبہ دار السلام)

جس حدیث کو علماء قبول کر لیں (یعنی تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہو) اس حدیث پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔ (یعنی وہ حدیث مقبول ہوگی)

آگے مزید فرماتے ہیں:

بل الحدیث اذا تلقته الامة بالقبول فهو عندنا فی معنی المتواتر (ص۶۲)

وہ حدیث جسے امت قبول کرے (یعنی تلقی بالقبول سے نوازے تو ہمارے (حنفیہ) کے نزدیک معنی متواتر ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ عمرو بن شعیب والی روایت اگرچہ سنداً کمزور ہے لیکن تلقی بالقبول یعنی علما

میں معمول بہا ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔

لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ عمرو بن شعیب والی روایت علماء کے ہاں قابل عمل اور معمول بہا ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما والی غیر معمول بہا ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کا عمل عمرو بن شعیب والی روایت پر ہے۔

اعتراض نمبر ۲۹:

مناسک حج میں تقدیم وتاخیر کرنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے پانچ روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان سائلاً سأل النبی صلی الله علیه وسلم رمیت بعد ما امسیت قال: لا حرج قال و قال حلقت قبل ان انحر قال لا حرج.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۷۹)

ایک سائل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی ہے (کیا یہ درست ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بات نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سائل نے کہا میں نے نحر (ذبح) کرنے سے پہلے حلق کرلیا ہے (کیا یہ درست ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال علیه دم (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اس (مناسک میں تقدیم وتاخیر کرنے والے) پر دم واجب ہے۔

جواب:

یوم النحر یعنی ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو حاجی کے ذمہ چار مناسک ہیں (۱) رمی کرنا (۲) قارن اور متمتع کے لیے قربانی کرنا (۳) حلق یا قصر کرنا (۴) طواف زیارت کرنا۔

ان تمام ارکان میں پہلے تین میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ترتیب واجب ہے کیونکہ نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم سلك الطريق الوسطى التي تخرج على الجمرة الكبرى حتى اتى الجمرة التي عند الشجرة فرماها بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة منها مثل حصى الخذف رمى من بطن الوادي ثم انصرف الى المنحر فنحر ثلثا و ستين بيده ثم اعطى علياً فنحر ما غبر واشركه في هديه ثم امر من كل بدنة ببضعة فجعلت في قدر فطبخت فاكلا من لحمها و شربا من مرقها ثم ركب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاض الى البيت فصلى بمكة الظهر (الى آخره) (مسلم جلد۱ ص ۳۹۹، حدیث نمبر ۲۹۵۰)

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درمیانی راستہ سے چلنا شروع کیا جو جمرہ عقبہ کی طرف نکلتا ہے یہاں تک کہ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے اور اسے سات کنکریاں ماریں اور کنکری پر ''اللہ اکبر'' کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کنکری وادی کے اندر سے شہادت والی انگلی کے اشارہ سے ماری جیسے چٹکی سے پکڑ کر کوئی چیز پھینکی جاتی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ کی طرف آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے تریسٹھ اونٹ قربان کیے پھر حضرت علیؓ کو برچھا عطا فرمایا اور انہوں نے باقی قربانی ذبح کیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی میں حضرت علیؓ کو شریک کر لیا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے ہر ہر جانور سے ایک ایک بوٹی کٹوا کر پکوائی جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس گوشت میں سے کچھ کھایا اور شوربا بھی پیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر بیت اللہ کی طرف آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف افاضہ فرمایا (الی آخرہ)

اس اس روایت میں حلق/ قصر کا ذکر نہیں لیکن دوسری روایات میں قربانی کے بعد حلق کا ذکر موجود ہے۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد میں روایت موجود ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم رمى جمرة العقبة يوم النحر ثم رجع الى منزلة بمنى فدعا بذبح فذبح ثم دعا بالحلاق فاخذ بشق راسه الايمن فحلقه (سنن ابی داؤد جلد ۱، ۲۷۲ حدیث نمبر ۱۹۸۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر والے دن جمرہ عقبہ کی رمی کی پھر آپ منیٰ میں اپنی قیام گاہ لوٹ آئے پھر قربانی کے جانور منگوائے اور انہیں ذبح کیا اس کے بعد حلاق (سر مونڈنے والے کو بلایا) اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے داہنے حصے کو پکڑا اور بال مونڈ دیے۔

ان روایات کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ ان ارکان میں ترتیب میں وجوب کے قائل ہیں۔ اور جب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلے تین ارکان میں حدیث کے پیش نظر ترتیب واجب ہے تو اسی وجہ سے امام صاحبؒ کے نزدیک ان افعال میں تقدیم وتاخیر کی صورت میں دم (یعنی کفارے کے طور پر قربانی کرنا بھی) لازم ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

من قدم شيئًا من حجه او آخره فليهرق لذلك دمًا.

(طحاوی جلد ۱، ص ۴۳۳، حدیث نمبر ۳۹۹۶)

جس شخص نے (مناسک حج میں) کوئی میں چیز مقدم یا موخر کی تو اسے چاہیے کہ وہ خون بہائے (یعنی ایک جانور ذبح کرے)۔

ان دلائل کی بنیاد پر امام ابوحنیفہؒ افعالِ حج میں تقدیم وتاخیر کی صورت میں دم کو لازم قرار دیتے ہیں۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ان روایات میں تقدیم وتاخیر کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا حرج''

فرمایا ہے ان روایت میں ''لاحرج'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی کفارہ لازم نہیں کیونکہ حرج کا ہونا اور چیز ہے اور دم کا لازم آنا اور ہے ان روایات میں ''لا حرج'' سے مراد محض گناہ کی نفی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حج کرنے کا یہ پہلا موقع تھا اور اس وقت لوگوں کو حج کے مسائل صحیح طریقہ سے معلوم نہ تھے اس وجہ سے لاعلمی اور غلطی سے ہونے والے گناہ جیسے افعال حج میں تقدیم تاخیر کا گناہ اٹھالیا گیا تھا۔ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بين الجمرتين عن رجل حلق قبل ان يرمى قال لا حرج وعن رجل ذبح قبل ان يرمى قال لا حرج ثم قال: عباد الله وضع الله عز وجل الحرج والضيق وتعلموا مناسككم فانها عن دينكم. (طحاوی جلد ا ص ۴۲۳ حدیث نمبر ۳۹۹۴)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں جمروں کے درمیان ایسے آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس نے کنکریاں مانے سے پہلے سر منڈوالیا تھا آپ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں اور ایک دوسرے آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ اس نے کنکریاں مارنے سے پہلے ہی جانور ذبح کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے بندو اللہ تعالیٰ نے تم سے گناہ اور تنگی اٹھالی ہے تم اپنے حج کے احکام سیکھو پس بے شک یہ تمہارے دین کا حصہ ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''لا حــرج'' کوئی حرج نہیں اس بنا پر فرمایا کہ لوگوں کو حج کے احکام صحیح معلوم نہ تھے یہاں حرج کی نفی کا مطلب گناہ کی نفی ہے نہ کہ کفارے کی اور اس بات کی تائید کے لیے مزید شواہد و قرائن ملاحظہ فرمائیں:

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خرجت مع النبي صلى الله عليه وسلم حاجاً فكان الناس يأتونه فمن

قال: یا رسول سعیت قبل ان اطوف او قدمت شیئاً اور آخرت شیئاً فکان یقول: لا حرج لا حرج الا علی رجل اقترض عرض رجل مسلم و هو ظالم فذلك الذی حرج و هلك. (ابوداؤد جلد۱ ص۲۷۶، حدیث نمبر۲۰۱۵)

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم کے ساتھ حج کے لیے نکلا لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے جب کوئی کہتا اے اللہ کے رسول میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے یا میں نے قربانی کو مقدم یا مؤخر کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کوئی حرج نہیں کوئی حرج نہیں، حرج صرف اس آدمی پر ہے جو کسی مسلمان کی جان یا عزت وآبرو پامال کرے اور وہ ظالم ہو پس یہی ایسا شخص ہے جو حرج میں پڑا اور ہلاک ہوا۔

اس روایت میں "لا حرج" کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "لا حرج" سے مراد "لا اثم" (یعنی کوئی گناہ نہیں) ہے دم کے وجوب کی نفی نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مناسک میں افعال کو مقدم مؤخر کرنے والے پر کوئی حرج نہیں۔ بلکہ حرج اس کے لیے جو کسی مسلمان کی عزت کو پامال کرے اور یہ بات تو واضح ہے کہ کسی مسلمان کی عزت کو پامال کرنے سے کفارہ تو لازم نہیں آتا بلکہ گناہ ہوتا ہے۔

دوسرا قرینہ:

حضرت اسامہ بن شریک کی روایت میں ہے

فکان الناس یاتونه فمن قال: یا رسول الله سعیت قبل ان اطوف او قدمت شیئاً او آخرت شیئًا فکان یقول لا حرج لا حرج.

(ابوداؤد، جلد۱، ص۲۷۶، حدیث نمبر۲۰۱۵)

لوگ (حج کے موقعہ پر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے طواف سے قبل ہی (صفا مروہ کی) سعی کر لی ہے اور بعض چیز کو مقدم یا مؤخر کر دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔

حالانکہ امت کا اجماع اس پر کہ صفا مروہ کی سعی اگر طواف سے پہلے کی جائے تو ادا نہیں ہوتی بلکہ طواف کے بعد دوبارہ سعی کرنا لازم وضروری ہے جب کہ ابوداؤد کی مذکورہ روایت

سے معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ سعی کرنا لازم نہیں ہے۔ لہٰذا اجماع امت سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں لاحرج کا معنیٰ گناہ کی نفی ہے اور اس سے دوبارہ سعی کرنے کی نفی لازم نہیں آتی تو اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ کی روایتوں میں بھی "لا حرج" کا معنیٰ گناہ کی نفی ہے کہ گناہ نہ ہو گا اس سے دم کی نفی مراد نہیں۔

تیسرا قرینہ:

ابن ابی شیبہ نے "لا حرج" والی جو روایات نقل کی ہیں ان کے راویوں میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں اور جبکہ ان کا اپنا فتوی دلیل نمبر۲ کے ضمن میں نقل کیا جا چکا ہے کہ مناسک حج میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں دم (کفارہ) لازم ہے جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "لا حرج" کا وہی مطلب ہے جس کے امام ابوحنیفہؒ قائل ہیں۔

فائدہ مہمہ:

یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب "لا حرج" سے محض گناہ کی نفی مراد لی جائے لیکن اگر "لا حرج" کا یہی معنی مراد لیا جائے کہ کفارہ لازم نہیں آتا تو بھی ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مخالف نہیں کیونکہ پھر یہ حکم اس صورت کے ساتھ خاص ہوگا کہ جب کسی آدمی نے بھول کر غلطی سے لاعلمی کی وجہ سے ترتیب میں تقدیم و تاخیر کی ہو۔ اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ بھی یہی ہے کہ جہالت کی وجہ سے اگر کسی نے افعال میں ترتیب قائم نہ رکھی تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں۔

چنانچہ امام محمدؒ نقل فرماتے ہیں:

اخبرنا محمد عن ابی حنیفة فی الرجل یجھل و ھو حاج فیحلق راسه قبل ان یرمی الجمرة انه لاشیء علیه.

(کتاب الحجة علی اھل المدینة جلد۲، ص ۳۷۱، باب الذی یجھل فیحلق راسله قبل ان یرمی جمرة العقبة مطبوعه حیدر آباد دکن)

امام ابوحنیفہؒ اس آدمی کے بارے میں فرماتے ہیں جس نے جہالت (لاعلمی) کی وجہ سے

حالت حج میں رمی جمار (کنکری مارنے) سے پہلے اپنا سر منڈوا دیا اس پر کچھ بھی لازم نہیں (یعنی اس پر کفارہ نہیں)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا عمل ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت کے ظاہر پر بھی ہے۔

قارئین کرام! ان تمام گفتگو سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک مذکورہ احادیث کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۳۰:

شراب کو سرکہ بنانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

ان ایتاما ورثوا خمراً فسأل ابو طلحه النبی صلی الله علیه وسلم ان یجعله خلّا قال: لا. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۸ص۳۸۹)

کچھ یتیم بچوں کو میراث میں شراب ملی تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے سرکہ بنانے کے متعلق سوال کیا (کہ کیا اس کا سرکہ بنالیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفه قال لا بأس به (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب احادیث کے موافق ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبرا:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما اقفر اهل بیت من آدم فیه خل و خیر فی خلکم خل خمر کم.

(سنن الکبری للبیہقی جلد۶،ص۶۳،حدیث نمبر۱۱۲۰۸ مکتبہ دارالکتب علمیہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ گھر فقیر نہیں ہوتا جس کے سالن میں سرکہ ہو اور تمہارے سرکوں میں سے بہترین سرکہ وہ ہے جو شراب کا بنا ہوا ہو۔

دلیل نمبر۲:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الدباغ یحل من المیتة کما یحل النحل من الخمر. (سنن الکبری للبیہقی جلد۶،ص۶۳،حدیث نمبر۱۱۲۰۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردار کے چمڑے کو دباغت (رنگنے) سے وہ حلال (پاک) ہو جاتا ہے جیسا کہ شراب سرکہ بنانے سے حلال ہو جاتی ہے۔

دلیل نمبر۳:

ام حراش سے مروی ہے کہ

انها رأت علیاً یصطبغ بخل الخمر.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۵ص۵۱۲،حدیث نمبر۲۴۴۶۶)

ام حراش نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شراب سے بنے ہوئے سرکہ بطور سالن استعمال کرتے دیکھا۔

دلیل نمبر۴:

حضرت مسربل عبدی اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں ان کی والدہ کہتی ہیں۔

سألت عائشه عن خل الخمر قالت: لا بأس به هو ادام.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۵،ص۵۱۲،حدیث نمبر۲۴۵۶۸)

میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شراب سے بنے ہوئے سرکہ کے بارے میں سوال

کیا، انہوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں وہ بھی ایک سالن ہے۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت جبیر بن نفیر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

اختلاف رجلان من اصحاب معاذ فی خل الخمر فسألا ابا الدرداء؟ فقال: لا بأس. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۵۱۲، حدیث نمبر ۲۴۵۶۷)

حضرت معاذؓ کے دو ساتھیوں میں شراب کے بنے ہوئے سرکے کے متعلق اختلاف ہوا تو انہوں نے ابو درداءؓ سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۶:

حضرت نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

انه کان لا یری بأساً ان یأکل مما کان خمرًا فصار خلاً.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۵۱۲، حدیث نمبر ۲۴۵۶۹)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس چیز کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جو پہلے شراب تھی پھر سرکہ بن گئی ہو۔

دلیل نمبر ۷:

ابن عون سے مروی ہے کہ

کان محمد لا یقول خل خمر، ویقول خل العنب و کان یصطبغ فیه.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۵۱۲، حدیث نمبر ۲۴۵۷۰)

محمد ابن سیرینؒ شراب کا سرکہ نہیں کہتے تھے بلکہ انگور کا سرکہ کہتے تھے اور وہ اس کو بطور سالن استعمال کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۸:

یحیٰ بن عتیق حضرت ابن سیرینؒ سے روایت کرتے ہیں۔

انه کان لا یری بأساً بخل الخمر.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵،ص ۵۱۳، حدیث نمبر ۲۴۵۷۱)

شراب سے بنے سرکے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

دلیل نمبر ۹:

اسماعیل بن عبدالملک فرماتے ہیں کہ

رأیت سعید بن جبیر یصطبح بخل خمر.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵،ص ۵۱۳، حدیث نمبر ۲۴۵۷۲)

میں نے سعید بن جبیرؒ کو دیکھا کہ وہ شراب کے بنے ہوئے سرکے کو بطور سالن کے استعمال کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۱۰:

مبارک سے مروی ہے کہ

عن الحسن قال لا بأس بخل خمر.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵،ص ۵۱۳، حدیث نمبر ۲۴۵۷۳)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ شراب سے بنے ہوئے سرکہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قارئین کرام! یہ وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ شراب سے بنے سرکے کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

اس روایت میں موجود منع کا حکم ابتدائی دور کا ہے۔ جب شراب کی حرمت کا حکم نیا نیا نازل ہوا تھا اور لوگوں کے دلوں سے شراب کی اہمیت و محبت ختم کرنے کے لیے ابتدا میں بہت سختی کی گئی یہاں تک کہ شراب کے لیے استعمال ہونے والے برتن کا استعمال اور اس میں پینے کو بھی ناجائز قرار دیا گیا جب لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت ختم ہوگئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت عطا فرما دی۔ چنانچہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم نهیتکم عن النبیذ الا فی سقائً فاشربوا فی الاسقیة کلها ولا تشربوا مسکرًا.

(مسلم جلد۲،ص ۱۶۶، حدیث نمبر ۵۲۰۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں مشکیزوں کے علاوہ دوسرے برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا تو اب تم سب برتنوں میں پیو لیکن نشہ آور چیز نہ پیو۔

تو جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً شراب کے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرما دیا تھا بعد میں اجازت دے دی اسی طرح ابتداءً شراب سے سرکہ بنانے کو بھی منع فرمایا تھا لوگوں کے دلوں سے شراب کی محبت ختم کرنے کے لیے بعد میں اس کی اجازت مرحمت فرمادی جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کے دلائل کے ضمن گزر چکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین سرکہ شراب کا سرکہ ہے۔ اور فرمایا شراب سرکہ بنانے سے حلال ہو جاتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں جو منع ہے وہ حکم ابتدائی دور کا ہے اور وہ شراب ان کے پاس حرمت نازل ہونے سے پہلے کی تھی۔ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ابوطلحہؓ نے اس پہلے سے موجود شراب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اس کی محبت ان کے دلوں سے ختم کرنے کے لیے سرکہ بنانے سے منع فرمادیا۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ

ان یتیما کان فی حجر ابی طلحة فاشترا له خمر أفلما حرّمت الخمر سئل النبی صلی الله علیه وسلم ا یتخذ خلا قال: لا

(دار قطنی جلد۳،ص ۵۲۲، حدیث نمبر ۴۶۲۲، مکتبہ دار المعارفہ)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں ایک یتیم (لڑکا) تھا حضرت ابوطلحہؓ نے اس کے لیے شراب خریدی جب شراب کو حرام قرار دیا گیا، تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا اُسے سرکہ بنایا جا سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔

ناظرین کرام! ان تمام دلائل سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایت کا تعلق ابتدائی دور سے ہے جیسا کہ دار قطنی کی روایت میں صراحت

موجود ہے اور بعد میں سرکہ بنانے کی اجازت دے دی گئی جیسا کہ دلائل سے واضح ہے لہذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عمل کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۳۱:

محارم سے نکاح کرنے والے کی سزا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے براء بن عازبؓ سے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ

ان النبی صلی الله علیه وسلم ارسله الی رجل تزوج امرأة ابیه فامره ان یأتیه برأسه (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۰)

رسول اکرم صلی اللہ اللہ علیہ سلم نے انہیں اس آدمی کی طرف بھیجا جس نے اپنے والد کی بیوی سے نکاح کیا تھا اور حکم دیا کہ اس کا سر لے کر آپ صلی اللہ علیہ سلام کے پاس حاضر ہو۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لیس علیه الحد (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس آدمی پر صرف حد (ہی) لازم ہے۔

جواب:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حد کے واجب نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس شخص پر کوئی سزا ہی نہیں بلکہ اس پر تعزیر واجب ہے چنانچہ امام طحاویؒ نقل فرماتے ہیں:

فقالوا: لا یجب فی هذا حد الزنا ولکن یجب فیه التعزیر والعقوبة البلیغة و ممن قال بذلك ابو حنیفة و سفیان الثوری رحمهما الله

(طحاوی جلد ۲ ص ۸۶، حدیث نمبر ۴۲۸۲ مکتبہ رحمانیہ)

اس پر زنا کی حد واجب نہیں ہے مگر اس (محارم سے نکاح کرنے والے) پر تعزیر واجب ہے اور سخت سزا دی جائے گی اور یہ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کا قول ہے۔

یادرکھیے محارم سے وطی کرنے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) آدمی بغیر نکاح کے محرم سے وطی کرے۔

(۲) آدمی نکاح کرے اور نکاح کو حلال سمجھے۔

(۳) آدمی محرم سے نکاح کرے لیکن نکاح کو حرام سمجھے۔

پہلی صورت میں آدمی کو حد لگے گی کیونکہ یہ محض زنا ہے دوسری صورت میں آدمی مرتد ہو گیا ہے لہذا اسے قتل کردیا جائے گا۔

تیسری صورت میں نکاح کرنے والے پر حد نہیں بلکہ تعزیر لگے گی۔

پہلی دوصورتیں تو واضح ہیں اصل اختلاف تیسری صورت میں ہے۔ اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف حد کے واجب نہ ہونے کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ موقف دلائل کی بنیاد پر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرؤا الخدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلو سبيله فان الامام ان يخطئ فى العفو خير من ان يخطئ فى العقوبه. (ترمذی جلد ۱، ص ۲۶۳ حدیث نمبر ۱۴۲۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے۔ مسلمانوں سے حدود کو ٹالو اور اگر مجرم کے (بچ) نکلنے کی کوئی صورت ہو تو اسے آزاد کرو کیونکہ امام اسے معاف کرنے میں غلطی کرنا اسے سزا دینے میں غلطی کرنے سے بہتر ہے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ادرؤا الحدود با الشبهات.

(مسند امام اعظم للحصكفى ص ۱۵۷ مكتبه الميزان)

تم شبہات کی وجہ سے حدود کو نافذ کرو۔

ان روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہ کی وجہ سے حدود کو ٹالنے کا حکم فرمایا۔ اور مذکورہ مسئلے میں بھی شبہ کی وجہ سے حد کو واجب قرار نہیں دیا گیا ہے کیونکہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عقد نکاح کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے اور شبہ کی وجہ سے حد کو ٹالنے کا حکم ہے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت سعید بن مسیّبؒ اور سلمان بن یسارؒ سے مروی ہے:

ان طليحة نكحت في عدتها فاتى بها عمر بن الخطاب فضربها ضربات با المخفقة و ضرب زوجها وفرق بينهما فقال ايما امرأة نكحت في عدتها فرق بينها وبين زوجها الذى نكحت ثم اعتدت بقية عدتها من الاول ثم اعتدت من الآخر وان كان دخل بها الآخر ثم لم ينكحها ابدا وان لم يكن دخل بها اعتدت من الاول وكان الآخر خاطباً من الخطاب

(طحاوی جلد ۲، ص ۸۷، مکتبہ رحمانیہ حدیث نمبر ۴۷۸۷)

طلیحہ نے ایک عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا تو اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا ہے تو آپؓ نے اس عورت کو تو خفیف ضربیں (پٹائی) لگائی اور اس کے خاوند کو بھی مارا اور دونوں کے درمیان جدائی کر دی اور فرمایا جو عورت بھی اپنی عدت میں نکاح کرے تو اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی جس سے اس نے (دوسرا) نکاح کیا ہے پھر وہ عورت اپنے پہلے خاوند کی بقیہ عدت گزارے گی اور اگر اس دوسرے خاوند نے اس عورت سے جماع کیا تو پھر یہ عورت اس سے کبھی نکاح نہ کرے اور اگر جماع نہیں کیا ہے تو صرف پہلے خاوند کی عدت گزارے اور دوسرا خاوند نکاح کا پیغام دینے والوں میں شمار ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ شبہات جن کی وجہ سے زنا کی حد ٹل جاتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی ایسی عورت سے نکاح کر کے وطی کرے جن سے نکاح شرعاً

ممنوع ہے کیونکہ دوران عدت نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ بھی محارم ابدیہ جن سے نکاح شرعاً حرام ہے سے نکاح کی صورت میں حد کو واجب قرار نہیں دیتے۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسئلہ احادیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مخالف نہیں ہے کیونکہ شریعت میں زانی کی سزا رجم اور جلد (سنگسار) ہے اس کے علاوہ شریعت میں زانی کے لئے کوئی حد نہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس صورت میں حد جاری نہ کرنا بلکہ قتل کا حکم کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایسے شخص پر حد واجب نہیں ہاں تعزیر ضرور ہوگی اور امام ابوحنیفہؒ بھی اس کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام الحنفی (المتوفی (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

الا ترى ان ابا حنيفة الزم عقوبة باشد ما يكون و انما لم يثبت عقوبة هي الحد فعرف انه زنا محض عنده الا ان فيه شبهة فلا يثبت نسبه.

(فتح القدیر جلد ۵، ص ۲۴۹، مکتبہ العلمیہ بیروت)

کیا آپ نہیں دیکھتے کے امام ابوحنیفہؒ ایسے آدمی کے لئے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے ہیں (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت نہیں بس وہ اس کو زنا محض ہی سمجھتے ہیں مگر اس میں نکاح کے سبب شبہ پیدا ہو گیا۔

اور تعزیر کی صورت میں امام وقت قتل کرنے کا بھی حکم بھی دے سکتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تعزیر کے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ جبکہ قتل کرنا اسلام میں کسی بھی صورت میں زنا کی حد نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلہ میں قتل کا حکم کرنا بطور حد کے نہیں تھا بلکہ تعزیر کے طور پر تھا۔

اعتراض نمبر ۳۲:

جانور کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے صرف ایک روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے جن کے الفاظ یہ ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: زکاۃ الجنین زکاۃ امه اذا اشعر
(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا ماں کو ذبح کرنا ہی جنین (پیٹ سے نکلنے والے بچہ) کو ذبح کرنا ہے جبکہ اس کے بال نکل آئے ہوں۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفة قال: لا تکون زکاته زکاة امه (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جنین کی ماں کو ذبح کرنا جنین کو ذبح کرنا (شمار) نہیں ہوگا۔

جواب:

اس مسئلہ میں یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اصول کے عین مطابق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب بچہ اپنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو چار ماہ کے بعد اس میں روح پڑ جاتی ہے تو اب وہ ایک مستقل وجود کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور شریعت بھی اس کو ایک مستقل وجود ہی شمار کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان امرأتین من هذیل رمت احداهما اخری فطرحت جنینها فقضی فیه النبی صلی اللہ علیہ وسلم بغرة عبد او امة (مسلم جلد ۲ ص ۶۲ حدیث نمبر ۴۳۸۹)

بنی ہذیل کی دو عورتیں میں سے ایک عورت نے دوسری عورت کو دھکا دیا تو اس کا بچہ (حمل) ضائع ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک غلام یا لونڈی بطور تاوان ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ پیٹ میں موجود بچہ جب اس میں جان آ جائے تو وہ مستقل وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور فقہاء کرام کے ہاں بھی یہ بات مسلم ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچے میں روح پڑنے کے بعد حمل گرانا جائز نہیں اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ قتل کے حکم میں ہوگا۔ لہٰذا جب یہ بات واضح ہے کہ جانور اور اس کے پیٹ میں موجود بچہ الگ الگ وجود ہیں تو ایک کو ذبح کرنے سے دوسرا کیسے حلال ہو سکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ

جانور کو ذبح کرنے سے اس کے پیٹ میں موجود بچہ ذبح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اکثر اوقات بچہ زندہ نکل آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کے پیٹ میں موجود بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے سے ذبح نہیں ہوتا بلکہ بچہ ماں کی موت کے بعد اس کا سانس رک جانے کی وجہ سے دم گھٹ کر مر جاتا ہے اور ایسا جانور جو دم گھٹنے سے مر جائے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَ مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ
(المائدہ: آیت ۳)

حرام کیا تم پر مردہ جانور اور خون اور سور کا گوشت اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا اور جو (جانور) مر گیا ہو گلا گھوٹنے سے یا چوٹ لگنے سے یا اونچائی سے گر کر یا (کسی دوسرے کے) سینگ مارنے سے مر جائے اور جس کو کھایا ہو درندے نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا ہو۔

اس آیت کے پیش نظر امام ابو حنیفہؒ جانور کے پیٹ سے مردہ نکلنے والے بچے کو حرام قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کی حرمت قرآن کریم سے ثابت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے لہٰذا یہ بچہ بھی مردہ ہے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت حمادؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ سے روایت کرتے ہیں

انه قال: لا تکون ذکاة نفس ذکاة نفسین.
(موطا امام محمد ص ۲۸۶، حدیث نمبر ۶۵۱)

وہ فرماتے ہیں کہ ایک جان کا ذبح کرنا دو جانوں کو ذبح کرنا نہیں ہو سکتا۔

ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت کا جواب:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس روایت کے دو معنی ہیں۔

نمبر ۱:

یہ روایت اس بچے کے بارے میں ہے جس کے اندر ابھی روح نہ ڈالی گئی ہو روح ڈالنے

سے پہلے چونکہ وہ کوئی الگ وجود نہیں ہوتا بلکہ ماں کے جسم کا ہی حصہ ہوتا ہے اس وجہ سے ذبح کرنے میں وہ ماں کے تابع ہوگا اور امام صاحبؒ کا فتویٰ بھی اس صورت میں یہی ہے ہاں روح پڑ جانے کے بعد اس کو ماں کے تابع کرنا مذکورہ دلائل کے پیش نظر ممکن ہی نہیں لہٰذا اس صورت میں یہ ماں کے ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگا۔

نمبر۲:

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جانور کے پیٹ کے بچے کو ذبح کرنا اس کی ماں کو ذبح کرنے ہی کی طرح ہے۔

یعنی جس طرح جانور کو ذبح کیا گیا ہے اسی طرح اس کے پیٹ میں موجود بچے کو بھی ذبح کرنا ضروری ہے۔ ذبح کے بغیر وہ حلال نہ ہوگا۔ (آفتابِ محمدی جلد ا، ص ۱۷)

قارئین کرام! معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مستدل قرآن کریم ہے اور ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ حدیث کا مفہوم و معنی جو امام ابوحنیفہؒ نے لیا ہے وہ قرآن کریم کے عین موافق ہے لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسئلہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

اعتراض نمبر ۳۳:

گھوڑے کے گوشت کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے تین روایات نقل کی ہیں

۱...... عن اسماء ابنة ابوبكر قالت: نحرنا فرسًا على عهد رسول الله صلى الله عليه فا كلنا من لحمه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۰)

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔

۲...... عن ابن جابر قال: اطعمنا النبي صلى الله عليه وسلم لحوم الخيل و نهانا عن لحوم الحمر (ایضاً)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو گھوڑے کا

گوشت کھلایا (یعنی کھانے کی اجازت دی) اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا۔

۳...... عن جابر قال: اکلنا لحوم الخیل یوم خیبر. (ایضاً)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے خیبر کے دن گھوڑوں کا گوشت کھایا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفه قال: لا تؤ کل (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ گھوڑوں کا گوشت نہ کھایا جائے گا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا اصل موقف یہ ہے کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اس کے مکروہ ہونے کے قائل ہیں۔

چنانچہ صاحب ہدایہ امام برہان الدین مرغینانی الحنفیؒ (المتوفی ۵۹۳ھ) فرماتے ہیں۔

ویکرہ لحم الفرس عند ابی حنیفة. (ہدایہ جلد ۴، ص ۴۴۰)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑے کی تخلیق اس کا گوشت استعمال کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کی پیدائش کا اصل مقصد اور منافع اس پر سواری کرنا اور میدان جہاد میں ان سے کام لینا ہے کیونکہ گھوڑا دشمن کو خوف زدہ اور انہیں مرعوب کرنے کا ذریعہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مؤقف کہ گھوڑے کا گوشت مکروہ ہے دلائل سے ثابت ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (النحل: آیت ۵)

اور چوپائے اسی نے پیدا کیے تمہارے لئے ان میں سردی کے بچاؤ کا سامان ہے اور اس کے علاوہ بہت فائدے ہیں اور انہی سے تم کھاتے بھی ہو۔

اس آیت کریمہ میں چوپاؤں کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کے اور بہت سے فائدے کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ کھانے کے کام بھی آتا ہے اور اس کے متصل بعد ہی دوسری آیت میں میں گھوڑوں خچروں اور گدھوں کا ذکر فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(النحل: آیت ۸)

گھوڑے، خچر اور گدھے اسی نے پیدا کیے ہیں تا کہ تم ان پر سواری کرو اور وہ زینت کا سامان بنیں اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرے گا جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے گھوڑے، گدھے اور خچر کی تخلیق کا اصل مقصد و منفعت بیان فرمایا ہے اور وہ دو چیزیں ہیں (۱) سواری کرنا (۲) زینت۔ اگر گھوڑے کی پیدائش اس کا گوشت کھانے کے لئے ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ضرور فرماتے اور یہ بات مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات حکیم ہے اور حکیم کا ہر قول و فعل حکمت والا ہوتا ہے۔ اور یہ مقام احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ بطورِ احسان کے ان کے اعلیٰ اور اصلی منفعت کو بیان فرما رہے ہیں اور کھانا ان سب منافع سے اعلیٰ درجے کی منفعت ہے کیونکہ کھانے میں زندگی کی بقا منحصر ہے۔ اور حکیم ذات کے شان کے لائق نہیں ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ منافع کو ترک کر کے اس سے کم درجے کے منافع اور نعمت کے ذریعے احسان جتائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا گھوڑے کے گوشت کے کھانے کے متعلق موقعہ امتنان میں سکوت اختیار کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ گھوڑے کا گوشت کھانا اس کے اعلیٰ منفعت میں سے نہیں ہے اس وجہ سے اس کا کھانا مکروہ ہے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن اکل لحوم الخیل و البغال و الحمار. (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۱، حدیث نمبر ۳۷۹۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے، خچر اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

دلیل نمبر۳:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

انه سمع رسول الله صلی الله وسلم یقول: لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر (سنن النسائی جلد۲ص۱۹۸حدیث نمبر۴۳۳۶)

انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، گھوڑے خچر اور گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے۔

دلیل نمبر۴:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ

ان رسول الله صلی الله علیه ولم نهی عن لحوم الخیل، والبغال والحمیر. (طحاوی جلد۲، ص۳۰۴، حدیث نمبر۶۲۷۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے خچر اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا ہے۔

دلیل نمبر۵:

سعید بن جبیر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

سأله رجل عن اکل الفرس وقال وکیع عن اکل الخیل فقرا هذه الایه (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ) قال: فکرهها.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۵، ص۵۴۰، حدیث نمبر۲۴۸۰۲)

ایک شخص نے آپؓ سے گھوڑا کھانے کے بارے میں سوال کیا حضرت وکیع فرماتے ہیں (خیل) گھوڑا کھانے کے متعلق سوال کیا تھا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ) الآیۃ راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اس (گھوڑے کے گوشت) کو ناپسند کیا۔

دلیل نمبر۶:

حضرت نافع بن عقبہ کے مولی (غلام) سے مروی ہے کہ

ان ابن عباس كان يكره لحوم الخيل والبغال والحمير وكان يقول قال الله جل ثناؤه (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ) فهذه للاكل (وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا) فهذه للركوب.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۵۴۰، حدیث نمبر ۲۴۸۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما گھوڑوں کے گوشت کو ناپسند کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ) پس یہ کھانے کے لیے ہیں اور (وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا) یہ سواری کے لیے ہیں۔

دلیل نمبر ۷:

حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ

انه سئل عن لحوم الخيل فقال (وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا) كانه كره لحومها. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۵۴۱، حدیث نمبر ۲۴۸۰۷)

ان سے گھوڑے کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا: تو آپ نے (وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا) فرمایا گویا کہ آپ نے ان کے گوشت کو ناپسند کیا۔

برادران عزیز! قرآن کریم کی ان آیات و احادیث اور آثار کے پیش نظر امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا درست نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

احادیث میں جہاں گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایات سے ثابت ہے۔ وہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے منع کی احادیث بھی موجود ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کے دلائل کے ضمن میں آپ ملاحظہ کر آئے ہیں۔ تو جب روایات دونوں قسم کی ہیں اباحت والی بھی اور منع والی بھی تو اصول کا تقاضا یہ ہے جب کسی مسئلہ میں روایات متعارض ہوں تو ان میں تطبیق دی جائے تا کہ تعارض ختم ہو جائے اور اگر تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو تو ایک کو راجح قرار دے کر قابل عمل سمجھا جائے اور دوسرے کو

مرجوح قرار دے کر چھوڑ دیا جائے۔لہٰذا صورت مذکورہ میں بھی اختلاف اباحت اور حرمت (مکروہ) کا ہے اور اصول یہ ہے کہ جب حرمت اور اباحت کا اختلاف ہو تو ترجیح حرمت کو ہو گی یعنی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ والی روایت راجح ہے لہٰذا گھوڑے کا گوشت کھانا جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی الحنفی (المتوفی ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں

حديث خالد بن وليد رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلى الله وسلم عن لحوم الخيل والبغال والحمير يتعارض من حديث جابر والترجيح للمحرم. (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۱۷، ص ۳۲۱، مکتبۃ السلفیہ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے خچر اور گدھے کے گوشت سے منع فرمایا تو یہ (منع والی) حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی (اباحت والی) حدیث کے معارض ہے لہٰذا ترجیح حرمت (منع) والی حدیث کو ہے۔

اور بعض محدثین تطبیق والی صورت کو اختیار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک احادیث میں نہی (منع) گھوڑے کے حرام ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ احتراماً ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے دین کی بقا کے لیے کافروں کے مقابلے میں جہاد کیا جاتا ہے اور جن روایات میں گھوڑے کے گوشت کی اجازت ہے وہ کسی ضرورت کے پیش نظر مجبوری کی وجہ سے نہ کہ عام حکم ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) نہی اور اجازت والی احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وجمع بعضهم بين حديث جابر وخالد بان حديث جابر دال على الجواز في الجملة وحديث خالد دال على المنع في حالة دون حالة لان الخيل في خيبر كانت عزيزه، وكانوا محتاجين اليها للجهاد فلا يعارض النهي المذكورة ولا يلزم وصف اكل الخيل بالكراهة المطلقة فضلاً عن التحريم وقد وقع عند دار قطني في حديث اسماء كانت لنا فرس على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فارادت ان تموت فذبحنا فاكلناها واجاب

عن حديث اسماء انها واقعه عين فلعل تلك الفرس كانت كبرت بحيث صارت لا ينتفع بها في الجهاد فيكون النهى عن الخيل لمعنى خارج لا لذا تها: وهو جمع جيد. (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد۹،ص۶۵۲،مکتبۃ السلفیہ)

بعض محدثین نے حضرت جابرؓ کی (گھوڑے کے گوشت کی اجازت والی) اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی (منع والی) حدیث کے درمیان اس طرح تطبیق دی ہے کہ حضرت جابرؓ کی حدیث فی الجملہ جواز پر دلالت کرتی ہے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی حدیث بعض حالات میں گھوڑے کے گوشت کے منع پر دلالت کرتی ہے کیونکہ گھوڑے خیبر میں بہت کم تھے اور جہاد کے لیے مسلمانوں کو ان کی ضرورت تھی پس (اجازت) نہی والی کے معارض نہیں اور نہ ہی منع والی روایت سے گھوڑے کے (گوشت) کھانے کو مطلقاً مکروہ کہنا لازم آتا ہے چہ جائیکہ حرام کیا جائے اور سنن دارقطنی میں حضرت اسماءؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس کچھ گھوڑے تھے جب وہ مرنے کے قریب ہوئے تو ہم نے اسے ذبح کیا اور کھالیا۔ امام دارقطنی نے حضرت اسماءؓ والی (اس) حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ ایک خاص واقعہ تھا شائد کہ وہ گھوڑے اتنے بوڑھے ہو چکے ہوں گے کہ ان سے جہاد میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ پس (معلوم ہوا کہ) گوشت کھانے سے نہی (منع) ایک خارجی امر (یعنی جہاد میں ان کا استعمال ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ بذاتِ خود حرام ہونے کی وجہ سے اور یہ تطبیق عمدہ ہے۔

قارئین کرام! ان عبارات سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی ہے کہ امام صاحبؒ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ ان کا مذہب حدیث کے موافق ہی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۴:

رہن رکھی ہوئی چیز سے مرتہن کا فائدہ اٹھانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے تین روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم: الظهر یرکب اذا کان مرهونا ولبن الدر یشرب اذا کان مرهونا وعلی الذی یرکب ویشرب نفقته.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرہونہ سواری پر سوار ہوا جا سکتا ہے اور تھنوں (والے جانوروں) کا دودھ بھی پیا جا سکتا ہے اور سواری کرنے والے پر اور دودھ پینے والے ہر جانور کا خرچہ ہوگا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لا ینتفع به ولا یرکب. (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں مرہونہ (گروی رکھی ہوئی) چیز سے نفع اٹھانا اور سواری کرنا درست نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک حدیث اور اصول شرع کے موافق ہے اور یہ مسلک صرف امام ابو حنیفہؒ کا نہیں بلکہ جمہور امت کا ہے چنانچہ علامہ ابن رشد مالکیؒ جمہور کا مسلک نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

والجمهور علی ان لیس للمرتهن ان ینتفع بشیء من الرهن.

(بدایۃ المجتہد جلد ۲، ص ۵۹، مکتبہ ابن تیمیہ)

جمہور امت کا نظریہ یہ ہے کہ مرتھن (جس کے پاس گروی رکھی گئی ہو) مرہونہ چیز سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو چیز گروی رکھی گئی ہو اس کی حیثیت ضمانت کی ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز ادھار پر خریدتا ہے تو قیمت کی ادائیگی کی یقین دہانی کے لیے بطور ضمانت کے مشتری بائع کے پاس کوئی چیز گروی رکھتا ہے تو یہ چیز بائع کے پاس اس وقت تک رہتی ہے جب تک مشتری قیمت ادا نہ کردے یہ چیز بائع کے پاس محض امانت ہوتی ہے اس

میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنے کا حق اسے حاصل نہیں ہوتا اور یہ گروی رکھنے والے کی ہی ملک میں ہوتی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ موقف حدیث اور اصول کے موافق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله عليه وسلم لا يغلق الرهن له غنيمه وعليه عزمه.

(سنن دارقطنی جلد ۲، ص ۶۱۷، حدیث نمبر ۲۸۸۴، مکتبہ دارالمعرفۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رہن (رہن رکھنے والے کے لیے) بند نہیں ہوتا (یعنی اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا) اس سے آنے والا فائدہ بھی اسی کا ہوگا اور اس پر آنے والا خرچ بھی اسی (مشتری) کے ذمے ہوگا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رہن خریدار کی ہی ملکیت میں ہوتا ہے اس کی ملکیت سے نہیں نکلتا۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت ابن سیرینؒ سے مروی ہے

اقرض رجل رجلاً خمس مئة درهم واشترط عليه ظهر فرسه فقال ابن مسعود: ما اصاب من ظهر فرسه فهو ربا.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۷۹، حدیث نمبر ۲۱۰۶۷)

ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو پانچ سو درہم کا قرض دیا اور اس کے گھوڑے پر سواری کی شرط لگائی جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا سب سود ہے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں

كل قرض جر منفعة فهو ربا.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۵ص۸۰ حدیث نمبر ۲۱۵۷۷)

ہر وہ قرض جو کسی نفع کا سبب بنے سود ہے۔

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ جس قرض سے نفع حاصل ہو وہ سود ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔ اس مذکورہ مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے کہ مشتری (خریدار) بائع کا مقروض ہے اور اس قرض کی وجہ اس نے بائع کے پاس چیز یا جانور گروی رکھی ہے تو بائع کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسئلہ حدیث کے موافق ہی ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات ہمارے نزدیک سود کی حرمت سے پہلے کی ہے پہلے مقروض کی چیز سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہ تھی چنانچہ امام طحاویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

وكان هذا عندنا والله اعلم في وقت ما كان الربا مباحًا ولم ينه حينئذ عن القرض الذي يجر منفعة ولا عن اخذ الشئي بالشئي و ان كانا غير متساويين ثم حرّم الربا بعد ذلك و حرم كل قرض جرّ نفعًا واجمع اهل العلم ان نفقة الرهن على الراهن لا على المرتهن وانه ليس للمرتهن استعمال الرهن (طحاوی جلد۲،ص ۲۳۵، حدیث نمبر ۵۷۵۵)

ہمارے نزدیک یہ سود کی حرمت سے پہلے کی بات ہے کیونکہ اس وقت نفع والا قرض ممنوع نہ تھا اور کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے بدلے لینے کی ممانعت نہ تھی اگر چہ وہ مساوی نہ ہوں پھر جب سود کو حرام کیا گیا تو ہر وہ قرض جو نفع کو لائے اس کو (بھی) حرام قرار دیا گیا اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مال مرہونہ کا نفقہ راہن (رہن رکھنے والے) پر ہے مرتھن (جس کے پاس چیز گروی رکھی ہو) کے ذمہ (لازم) نہیں اور مرتھن کا رہن (گروی رکھی ہوئی چیز) کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۵:

خرید وفروخت میں خیار مجلس

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے پانچ روایات نقل کی ہیں جن میں سے چوتھی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال النبی صلی الله علیه وسلم البیعان بالخیار ما لم یتفرقا.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بائع اور مشتری جب تک جدا نہ ہوں اس وقت تک ان کو (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: یجوز البیع وان لم یتفرقا (ایضاً)

بیع جائز (نافذ) ہو جاتی ہے اگر چہ باہمی جدائی نہ بھی ہو۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ معاملات اور عقود میں جب خیار کا ذکر نہ ہو فریقین کی طرف سے ایجاب وقبول ہو جائے تو اس کے بعد معاملہ درست ہو جاتا ہے، اور فریقین اپنی اپنی چیزوں کے مالک بن جاتے ہیں اگر چہ وہ الگ اور جدا نہ بھی ہوں اور دونوں کو اپنی چیزوں میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ امام محمدؒ نقل فرماتے ہیں۔

قال ابو حنیفه اذا تبایع الرجلان ولم یذکرا فیه خیارا فقد وجب البیع حین عقداه وان لم یتفرقا

(کتاب الحجۃ علی اہل مدینہ، جلد ۲، ص ۶۸۰، مکتبۃ المعارف حیدر آباد دکن)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب دو آدمی بیع کریں اور اس میں خیار کا ذکر نہ کریں تو جس وقت وہ عقد کریں بیع واجب (نافذ) ہو جاتی ہے اگر چہ وہ جدا نہ بھی ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ کے اس موقف پر دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

بیع سمیت تمام عقود اور معاملات میں اصل ایجاب وقبول ہے۔ایجاب قبول کے علاوہ کوئی اور چیز عقد کے لیے رکن نہیں لہٰذا جب دو رکن یعنی ایجاب وقبول پا گئے تو عقد مکمل اور تام ہو گیا اور اس کو پورا کرنا واجب ہے۔

دلیل نمبر ا:

قرآن کریم میں اللہ کا فرمان ہے

وَاَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرہ: آیت ۲۸۲)

جب سودا کرو تو تم گواہ بنالو۔

بیع اصل میں ایجاب وقبول کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیع (سودے) پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے اگر بیع (سودا) ایجاب وقبول سے مکمل نہ ہوتی تو اس پر گواہ بنانے کا کوئی مقصد نہیں۔

دلیل نمبر ۲:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء: آیت ۲۹)

اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے۔

جب بائع اور مشتری دونوں نے ایجاب وقبول کر لیا تو رضامندی متحقق ہو گئی لہٰذا ایک دوسرے کا مال اب حلال ہو گیا اور ایجاب وقبول کے بعد مبیع پر مشتری کی اور ثمن پر بائع کی ملکیت ثابت ہو گئی اب دونوں کی مشترکہ رضامندی کے بغیر عقد کو واپس کرنا اس آیت کے منافی ہے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفر فكنت على بكر صعب لعمر فكان يغلبني فيتقدم امام القوم فيزجره عمر و يرده ثم يتقدم فيزجره عمر و يرده فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لعمر بعنيه قال هو لك يارسول الله قال: رسول الله صلى الله عليه وسلم بعنيه فباعه فقال النبي صلى الله عليه وسلم هو لك يا عبد الله بن عمر تصنع به ماشئت.

(بخاری جلد ا،۲۸۴،حدیث نمبر ۲۱۱۵)

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے میں عمر رضی اللہ عنہ کے ایک سرکش اونٹ پر سوار تھا وہ مجھے مغلوب کر کے آگے نکل جاتا تو عمر رضی اللہ عنہ اسے ڈانٹ کر پیچھے کر دیتے وہ پھر آگے نکل جاتا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پھر ڈانٹ کر اسے پیچھے کر دیتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ اونٹ مجھے بیچ دو تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا ہی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا یہ مجھے بیچ دو تو عمر رضی اللہ عنہ نے بیچ دیا پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر یہ اونٹ تیرا ہے تو جیسے چاہے استعمال کر۔

اس حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خریدتے ہی یا **تفرق عن المجلس** سے پہلے ہی وہ اونٹ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہبہ کر دیا اگر **تفرق عن المجلس** سے پہلے بیع نافذ نہیں ہوتی بلکہ اختیار رہوتا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدتے ہی ہبہ کیوں کیا؟

دلیل نمبر ۴:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى تستوفيه (مسلم جلد ۲ ص ۶ حدیث نمبر ۳۸۵۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم کوئی اناج خریدو تو پورا پورا وصول کرنے

سے پہلے اسے نہ بیچو۔

یہ حدیث خیار مجلس کی نفی پر دلیل ہے چنانچہ اس حدیث کے تحت امام طحاوی فرماتے ہیں

فکان ذلك دليلاً على انه اذا قبضه حل له بيعه وقد يكون قابضاً له قبل افتراق بدنه و بدن بائعه (طحاوی جلد۲ ص۱۹۱)

یہ حدیث (خیار مجلس کی نفی پر) دلیل ہے اس وجہ سے کہ جب مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو اس کی بیع جائز ہے اور بائع کبھی (مجلس سے) جدا ہونے سے پہلے ہی اناج پر قبضہ کرلیتا ہے۔

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ بائع اور مشتری کا ایجاب وقبول کرنے کے بعد عقد نافذ ہوجاتا ہے۔ دونوں میں سے کسی کو خیار حاصل نہیں ہوتا۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ابن ابی شیبہ نے جو روایات نقل کی ہیں ان روایات سے امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا اور نہ ہی امام صاحبؒ کا عمل ان روایات کے خلاف ہے کیونکہ ان روایات میں تفریق (جدا) ہونے کا مطلب واضح نہیں ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات کے نزدیک تفرق (جدا ہونے) سے مراد جسمانی مفارقت یعنی جسمانی طور پر جب تک اس مجلس سے جدا نہ ہو تو بائع مشتری کو اختیار ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کے واضح دلائل جو گزر چکے ہیں کی بنیاد پر یہاں مفارقت (جدا ہونے) سے مراد تفرق بالاقوال لیا ہے یعنی اپنی گفتگو سے جدا ہونا مراد ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ بائع اور مشتری جب تک ایجاب وقبول سے فارغ نہ ہوں اس وقت تک دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے قول سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔ یہاں تفرق سے تفرق بالابدان مراد نہیں بلکہ تفرق بالاقوال مراد ہے۔

قارئین کرام! ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ قرآن و احادیث کے موافق ہے اور امام صاحبؒ کا عمل ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایات پر بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۶:

حالت نماز میں کلام کرنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے تین روایات نقل کی ہیں جن میں سے تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی العصر فسلم فی ثلاث رکعات ثم انصرف فقام الیہ رجل یقال لہ الخرباق، فقال: یا رسول اللہ انقصت الصلاۃ قال: وما ذالک؟ قال: صلیت ثلاث رکعات فصلی رکعۃ ثم سجد سجدتی السھو ثم سلم (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۸، ص ۳۸۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعت پر سلام پھیر دیا پھر اپنا رخ پھیرا تو خرباقؓ نامی صحابی نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا نماز (کی رکعات) کم ہوگئی ہیں؟ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہوا تو صحابیؓ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رکعات پڑھائی ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ ایک رکعت پڑھائی اور آخر میں دو سجدہ سہو کر کے سلام پھیرا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفۃ قال: اذا تکلم فلا یسجدھما (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جب (نمازی نے) کلام کیا تو سجدہ (سہو) نہ کرے (بلکہ نماز دوبارہ لوٹائے)

جواب:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز میں کلام کرنا ممنوع ہے اگر کسی نے دوران نماز کلام کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام نووی الشافعیؒ رقم فرماتے ہیں

تحریم الکلام فی الصلوۃ سواء کان لحاجۃ اور غیرھا و سواء

كالمصلحة الصلوة او غيرها هذا مذهبنا و مذهب مالك وابى حنيفة (الى ان قال) وقال ابو حنيفة والكوفيون تبطل. (شرح مسلم للنووی جلد۱،ص۲۰۳)

نماز میں کلام کرنا خواہ کسی ضرورت یا نماز کی مصلحت یا کسی دوسری وجہ سے ہو حرام ہے، یہی ہمارا، امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے (آگے مزید فرماتے ہیں) امام ابوحنیفہؒ اور اہل کوفہ کا فرمان ہے کہ (دورانِ نماز کلام کرنے سے) نماز باطل (فاسد) ہو جاتی ہے۔

اسی طرح امام محمدؒ فرماتے ہیں:

لا ينبغى للمصلى ان يرد السلام اذا سلم عليه وهو فى الصلوة فان فعل فسدت صلاته ولا ينبغى ان يسلم عليه وهو يصلى و هو قول ابى حنيفة رحمه الله. (موطا امام محمد ص۱۲۳، حدیث نمبر ۱۷۶)

نمازی کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ نماز میں سلام کا جواب دے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور نماز سے باہر شخص کو بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ نمازی کو حالت نماز میں سلام کرے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔

نماز میں کلام کرنا ابتدائے اسلام میں جائز تھا بعد میں منسوخ و ممنوع ہو گیا لہٰذا اب نماز میں کسی بھی قسم کا کلام کرنا جائز نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان

وقوموا لله قانتين (البقرہ:۲۳۸)

اور کھڑے رہو (نماز میں) اللہ کے سامنے ادب سے۔

یہ آیت کریمہ نماز میں کلام کرنے کی ممانعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ بخاری جلد۲ ص۶۵۰، حدیث نمبر ۴۵۳۴، مسلم جلد۱، ص۲۰۴، حدیث نمبر ۱۲۰۳ میں موجود ہے۔

بينا انا اصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا عطس رجل من القوم فقلت يرحمك الله فرمانى القوم بابصارهم فقلت واثكل امياه شأنكم تنظرون الى فجعلوا يضربون بايديهم على افخاذهم فلما رأيتهم يصمّتوننى لكنى سكتّ فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبابى هو وامى ما رأيت معلمًا قبله ولا بعده احسن تعليمًا منه فوالله ما كهرنى ولا ضربنى ولا شتمنى قال ان هذه الصلاة لا يصلح فيها شئى من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراته القرآن. (الى آخره)

(مسلم جلد۱،ص۲۰۳حدیث نمبر۱۱۹۹)

میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اسی دوران نمازیوں میں سے ایک آدمی کو چھینک آئی تو میں نے ''یرحمک اللہ'' کہا تو لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا تو میں نے کہا کہ کاش میری ماں مجھ پر رو چکی ہوتی تمہیں کیا ہوا ہے تم مجھے کیوں گھور رہے ہو تو وہ لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے تو میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کروانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچھا سکھانے والا نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا اللہ کی قسم نہ آپ نے مجھے جھڑکا نہ مارا اور نہ ہی گالی دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کسی بھی قسم کا کلام کرنا درست نہیں ہے بے شک نماز تسبیح، تکبیر اور قرأۃ کا نام ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

كنا نتكلم فى الصلوة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه فى الصلوة حتى نزلت وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ فأمرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام.

(مسلم جلد۱،ص۲۰۴،حدیث نمبر۱۲۰۳)

ہم نماز میں باتیں کرتے تھے ہر آدمی نماز میں اپنے ساتھ والے آدمی سے بات کر لیتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ) ''اور اللہ کے سامنے خاموشی سے کھڑے ہو جاؤ''۔ پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور (نماز میں) کلام کرنے سے منع کر دیا گیا۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

کنا نسلم علی النبی صلی الله علیه وسلم فیرد علینا السلام حتی قدمنا من ارض الحبشة فسلمت علیه فلم یرد علی فاخذنی ما قرب و ما بعد فجلست حتی اذا قضی الصلوة قال ان الله یحدث من امره ما یشاء وانك قد احدث من امره ان لایتکلم فی الصلوة (نسائی جلد ۱، ص ۱۸۱، حدیث نمبر ۱۲۲۲)

ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سلام کا جواب دیا کرتے تھے یہاں تک کہ ہم سرزمین حبشہ سے واپس آئے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جواب نہیں دیا تو مجھے تشویش لاحق ہوئی میں وہیں بیٹھ گیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کر لی پھر فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے نیا حکم بھیجتا ہے اب اللہ تعالیٰ نے یہ نیا حکم دیا ہے کہ دوران نماز کلام نہ کیا جائے۔

دلیل نمبر ۴:

عطاء ابن ابی رباحؒ فرماتے ہیں

صلی عمر بن الخطاب رضی الله عنه باصحابه فسلم فی رکعتین ثم انصرف فقیل له ذلك فقال: انی جهزت عیراً من العراق بأحمالها و احقابها حتی وردت المدینة فصلی بهم اربع رکعات.

(طحاوی جلد ۱، ص ۲۶۳، حدیث نمبر ۲۵۴۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا پھر

واپس چلے گئے تو لوگوں نے بتلایا تو انہوں نے فرمایا میں نے عراق سے ایک قافلہ اس کے بوجھ اور گھاٹیوں سمیت تیار کر کے مدینہ پہنچایا ہے انہیں چار رکعت نماز (دوبارہ) پڑھائی۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے دوران نماز کلام کرنا ناجائز اور ممنوع ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوران نماز کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے سجدہ سہو نماز کے لیے نماز کے لیے کافی نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تمام روایات اس زمانے کی ہیں جس زمانے میں دوران نماز کلام کرنے کی اجازت تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مذکورہ روایت میں صحابی رسول ہے خرباق رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ ان کا اصل نام عبید بن عمر تھا زمانہ جاہلیت میں ان کا لقب خرباق تھا اور اسلام میں ان کا لقب ذوالیدین، ذوالشمالین مشہور ہوا اور حضرت ذوالیدین (خرباق) رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ جیسا کہ امام طحاویؒ نے نقل فرمایا ہے۔

ان ذالیدین قتل یوم بدر مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ھو احد الشھدائی قد ذکر محمد بن اسحاق و غیرہ (طحاوی جلد۱ ص۲۶۴)

ذوالیدین (خرباق) رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے اور غزوہ بدر میں (ہی) شہید کیے گئے (یہی) محمد بن اسحاق وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ سن۲ ہجری یا اس سے پہلے کا ہے۔

اور نماز میں کلام کرنے کی اجازت بعد میں منسوخ ہوگئی جیسا کہ دلائل گزر چکے ہیں۔ اور دوران نماز کلام کے منسوخ ہونے کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی ہوتی ہے کہ دوران نماز کلام کرنے کی صورت میں نماز کا اعادہ فرمایا یہ روایت دلیل نمبر۱۴ کے تحت گزر چکی ہے۔ جبکہ مذکورہ روایت یعنی حضرت ذوالیدینؓ والے واقعے میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں موجود تھے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو دیکھا تھا۔

جیسا کہ امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں

صلی النبی صلی الله علیه وسلم احدی صلوتی العشی قال محمد واکثر ظنی انها العصر رکعتین ثم سلم ثم قام الی خشبة فی مقدم المسجد فوضع یده علیها و فیهم ابوبکر و عمر فهابا ان یکلماه و خرج سرعان الناس فقالوا قصرت الصلوٰة ورجل یدعوه النبی صلی الله علیه وسلم ذالیدین (الی آخره) (بخاری جلد۱،ص۱۶۴،حدیث نمبر۱۲۲۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے پہر کی دو نمازوں (ظہر یا عصر) میں سے کوئی نماز پڑھی (امام بخاریؒ فرماتے ہیں) میرا غالب گمان یہ ہے کہ وہ عصر کی نماز تھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے ایک تنے سے جو مسجد کی اگلی صف میں (قبلہ کی طرف) تھا ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور حاضرین مجلس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے پس انہیں بھی کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور جلدی نماز پڑھنے والے مسجد سے باہر نکل چکے تھے لوگوں نے کہا کیا نماز (کی رکعتیں) کم ہو گئیں ہیں ایک شخص جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین کے لقب سے پکارا کرتے تھے (الیٰ آخرہ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس مذکورہ واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل اس مذکورہ حدیث کے خلاف ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دوران نماز کلام کرنا منسوخ ہے اگر کلام کیا تو نماز واجب الاعادہ ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے جو قرآن وحدیث اور خلیفہ راشد کے عمل کے عین موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۷:

مہر کی مقدار کا مسئلہ

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے نو روایات نقل کی ہیں

پہلی روایت:

حضرت عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

ان رجلا تزوج على عهد النبي صلى الله عليه وسلم على نعلين فاجاز النبي صلى الله عليه وسلم نكاحه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۸۲)

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو جوتیوں کو مہر بنا کر نکاح کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نکاح کو جائز قرار دیا۔

دوسری روایت:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لرجل: انطلق فقد زوّجتكها تعلمها سورة من القرآن (ایضاً)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے فرمایا کہ تو جا میں نے اس عورت سے تیرا نکاح کر دیا ہے پس تم اس عورت کو قرآن کریم کی سورۃ سکھاؤ۔

تیسری روایت:

حضرت ابن ابی لبیبہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من استحل بدرهم فقد استحل. (ایضاً)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک درہم کے بدلے میں (عورت میں) حلت کو طلب (یعنی نکاح) کرتا ہے تو تحقیق حلت ثابت ہوگئی۔

چوتھی روایت:

حضرت عبدالرحمٰن بن بیلیمانی سے روایت ہے

خطب النبي صلى الله عليه وسلم: "انكحو الايامى منكم" فقام اليه رجل فقال: يا رسول الله: ما العلائق بينهم؟ قال: ما تراضى عليه اهلوهم.

(ایضاً)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا "انکحوا الایامی منکم" ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے درمیان تعلق (کا

بدلہ/مہر) کیا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز (کو مہر بنانے) پر دونوں گھر والے راضی ہو جائیں (وہ مہر ہے)

پانچویں روایت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

تزوج عبد الرحمن بن عوف علی وزن نواۃ من ذهب قومت ثلاثه دراهم و ثلثا (ص ۳۸۳)

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک گٹھلی کے وزن کے برابر سونے کے بدلے نکاح کیا جس کی قیمت تین درھم اور تہائی درھم تھی۔

چھٹی روایت:

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

ما تراضی علیه الزوج والمرأة فهو مهر (ایضاً)

جس چیز پر میاں بیوی راضی ہو جائے پس (وہی) مہر ہے۔

ساتویں روایت:

ابن عونؒ فرماتے ہیں:

سألت الحسن ما ادنی ما یتزوج علیه الرجل؟ قال: وزن نواة من الذهب (ایضاً)

میں حسن بصریؒ سے پوچھا کیا مقدار (مہر) ہے جس پر آدمی نکاح کر سکتا ہے؟ تو حسن بصری نے فرمایا گٹھلی کے وزن کے برابر سونا (مہر) بن سکتا ہے۔

آٹھویں روایت:

سعید ابن مسیّب فرماتے ہیں:

لو رضیت بسوط کان مهرًا (ایضاً)

اگر میاں بیوی ایک کوڑے پر بھی راضی ہو جائے تو وہی مہر ہے۔

ان روایت کو نقل کرنے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان أبا حنيفة قال لا يتزوجها على اقل من عشرة دراهم (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کوئی نکاح نہ کرے دس درہم سے کم مہر پر۔

جواب:

ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایات میں دو مسئلوں کا ذکر ہے۔

(۱) کہ مہر کی کوئی مقدار شریعت میں متعین نہیں (۲) تعلیم قرآن کو مہر بنایا جا سکتا ہے۔

ذیل میں دونوں مسئلوں کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا مسئلہ:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شریعت میں مہر کی مقدار متعین ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسئلہ دلائل کی بنیاد پر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الاحزاب: آیت۵۰)

تحقیق ہمیں علم ہے جو کچھ ہم نے مقرر کر دیا ہے ان مردوں پر ان کی عورتوں کے حق میں اور ان کے ہاتھ کے مال (باندی) میں تاکہ نہ رہے تجھ پر کچھ حرج (تنگی) اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کی ہے لیکن قرآن کریم میں اس کی تفصیل نہیں ہے بلکہ احادیث میں اس کی تشریح ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا مهر دون عشرة دراهم
(سنن الکبریٰ للبیہقی جلد۷، ص۳۹۲، حدیث نمبر۱۴۳۸۹)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں۔

دلیل نمبر۳:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں
لا مهر باقل من عشرة دراهم.
(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳، ص۳۱۸، حدیث نمبر۱۶۶۳۰)
دس درہم سے کم مہر نہیں ہوتا۔

دلیل نمبر۴:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
سألت عائشه عن صداق النبي صلى الله عليه وسلم قالت ثنتا عشرة اوقية ونش فقلت و ما نش؟ قالت: نصف اوقية.
(ابوداؤد جلد۱، ص۲۸۷، حدیث نمبر۲۱۰۵)
میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کی ازواج) کے مہر کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ میں نے کہا کہ نش کیا ہے تو انہوں نے فرمایا آدھا اوقیہ۔

دلیل نمبر۵:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
سألت عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم كم كان صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت كان صداقه لازواجه ثنتي عشرة اوقية ونشًا قالت اتدرى ما النش قال قلت لا قالت نصف اوقية فتلك خمس مائة درهم فهذا صداق رسول الله صلى الله عليه وسلم لازواجه.
(مسلم، جلد۱، ص۴۵۸، حدیث نمبر۳۴۸۹)

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر کتنا تھا؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش مقرر فرمایا پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ نش کیا ہے میں نے کہا نہیں تو انہوں نے فرمایا نصف اوقیہ اور یہ (کل مقدار) پانچ سو درہم ہیں پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج کے لیے یہی مہر تھا۔

دلیل نمبر ٦:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

ما زوج بنتا من بناته ولا تزوج شيئاً من نسائه الا على اثنتى عشرة اوقية.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ٣ ص ٣١٨ حدیث نمبر ١٦٦٢٧)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام بیٹیوں کا نکاح اور اپنی تمام ازواج سے نکاح بارہ اوقیہ چاندی پر کیا۔

دلیل نمبر ٧:

حضرت محمد بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں۔

كان صداق بنات النبى صلى الله عليه وسلم و صداق نسائه خمس مأة درهم. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ٣ ص ٣١٨، حدیث نمبر ١٦٦٢٨)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر پانچ سو درہم تھا۔

دلیل نمبر ٨:

حضرت سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں۔

السنة فى النكاح اثنا عشرة اوقية و نصف فذلك خمس مأة درهم.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ٣ ص ٣١٩ حدیث نمبر ١٦٦٣٤)

نکاح میں سنت بارہ اور نصف اوقیہ (ساڑھے بارہ اوقیہ) چاندی ہے اور یہ پانچ سو درہم

(بنتے) ہیں۔

دلیل نمبر۹:

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

انها كانت تحت عبيد الله بن جحش فمات بارض الحبشة فزوجها النجاشي النبي صلى الله عليه سلم وامهرها عنه اربعة آلاف.

(ابوداود جلد۱،ص ۲۸۷،حدیث نمبر ۲۱۰۷)

وہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں حبشہ میں ان کا انتقال ہو گیا تو نجاشی (شاہ حبشہ) نے ان کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں چار ہزار مہر دیا۔

دلیل نمبر ۱۰:

امام ابن شہاب زہریؒ سے مروی ہے۔

ان النجاشي زوج ام حبيبة بنت ابى سفيان من رسول الله صلى الله عليه وسلم على صداق اربعة آلاف درهم، و كتب بذلك الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبل. (ابوداؤد، جلد۱،ص ۲۸۷،حدیث نمبر ۲۱۰۸)

نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار ہزار درہم کے بدلے کر دیا اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ سلم کو لکھ بھیجی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

دلیل نمبر ۱۱:

حضرت عطاء خراسانیؒ سے مروی ہے

ان عمر تزوج ام كلثوم على اربعين الف درهم.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳،ص ۳۱۹،حدیث نمبر ۱۶۶۴۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدہ ام کلثوم سے چالیس ہزار درہم کے عوض نکاح کیا۔

دلیل نمبر ۱۲:

حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں۔

ان عبد الرحمن بن عوف تزوج امرأة علی ثلاثین الفا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳، ص ۳۲۰، حدیث نمبر ۱۶۶۴۴)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے تیس ہزار درہم کے بدلے میں نکاح کیا۔

دلیل نمبر ۱۳:

حضرت ابن سیرینؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ

انہ تزوج شمیلۃ السلمیۃ علی عشرۃ آلاف

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳، ص ۳۲۰، حدیث نمبر ۱۶۶۴۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے شمیلہ سلمیہ سے دس ہزار درہم کے بدلے میں نکاح فرمایا۔

ان تمام دلائل سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی ہے کہ شریعت اسلامیہ نے مہر کی مقدار متعین کی ہے اور اس کی کم سے کم مقدار دس درہم ہے اس سے کم مہر نہیں اور یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوگیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کا مہر پانچ سو درہم سے کم مقرر نہیں فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام ازواج اور بنات (بیٹیوں) کا مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا۔ اور کسی بھی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر اس مقدار سے کم رکھا ہو ہاں زیادہ کا ذکر موجود ہے جیسا کہ دلیل نمبر ۹ کے تحت گزر چکا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے چار ہزار درہم کے عوض نکاح فرمایا۔

ناظرین کرام! قرآن کریم کی آیت کریمہ اور مذکورہ تمام احادیث وآثار اس بات پر دال ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ قرآن وسنت کے مطابق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

امام ابو حنیفہؒ نے ان روایات کی مخالفت نہیں کی بلکہ مہر کی ان مقدار کے حوالے سے قرآن وسنت پر ہی عمل کیا ہے کیونکہ مہر کی مقدار شریعت میں کم از کم دس درہم متعین جیسا کہ صریح روایات گزر چکی ہیں اور ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ وہ روایات جن میں انگوٹھی یا نعلین (جوتے) یا دس درہم سے کم پر نکاح کا ذکر ہے یہ روایات امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر معجّل پر محمول ہے کہ اصل مہر یہ نہ تھا بلکہ یہ مقرر کردہ مہر میں سے ایک حصہ تھا جو موقعہ پر ادا کیا تھا جسے مہر معجّل کہتے ہیں۔ کیونکہ روایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ یہ مذکورہ مہر مکمل مہر تھا۔ ممکن ہے کہ اصل مہر دس درہم یا اس سے زیادہ ہو اور فی الوقت اس کا کچھ حصہ ادا کیا گیا ہو۔

جواب نمبر۲:

حضرت شیخ الہند مولا محمود الحسن دیو بندی الحنفیؒ فرماتے

یحتمل ان یکون النعلان قیمتها عشرة دراهم

(تقریر ترمذی لشیخ الہند ص۳۲)

(جس روایت میں دو جوتیوں کو مہر بنانے کا بنانے کا ذکر ہے) اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ دونوں جوتیوں کی قیمت دس درہم ہو (اس وجہ سے اسے مہر بنایا گیا ہو)

دوسرا مسئلہ:

امام صاحبؒ کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مہر میں مال کا ہونا ضروری قرار دیا ہے اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

وَاُحِلَّ لَکُم مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ (النساء:۲۴)

اور حلال ہیں تمہارے لیے سب عورتیں ان عورتوں کے علاوہ (جو تم پر حرام کی گئی ہیں)

بشرطیکہ طلب کرو تم ان عورتوں کو اپنے مال کے بدلے۔

یہ آیت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کی واضح دلیل ہے اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مہر وہ چیز ہونی چاہیے جس کو مال کہا جا سکے جبکہ تعلیم قرآن مال نہیں ہے اس لیے اسے مہر بنانا درست نہیں ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اقروؤا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به.

(مسند احمد حدیث نمبر ۱۵۱۱۹، السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر ۲۷۷۴)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قرآن پڑھا کرو اس میں حد سے زیادہ غلو نہ کیا کرو اور اس سے جفا نہ کرو اور اسے کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور اس کے ذریعے مال و دولت کی کثرت حاصل نہ کرو۔

دلیل نمبر۳:

زید بن سلام اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

كتب معاوية الى عبد الرحمن بن شبل ان اعلم الناس ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فجمعهم فقال انى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: تعلموا القرآن فاذا علمتموه: فلا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به.

(سنن الکبرٰی بیہقی جلد ۲ ص ۲۸ حدیث نمبر ۲۲۷۰ مکتبہ دار الکتب العلمیہ)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ وہ لوگوں کو وہ چیز سکھائیں جو آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے کہ ہوئے سنا ہے کہ

تم قرآن سیکھو جب تم قرآن سیکھ لوتو اس میں غلو نہ کرنا اور نہ ہی اس سے بے رخی اختیار کرو اور نہ ہی اسے کھانے کا ذریعہ بناؤ اور نہ ہی اس کے ذریعے مال کی کثرت حاصل کرو۔

ان دونوں احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلام نے قرآن کریم کے ذریعے سے دنیاوی فائدہ حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا تعلیم قرآن کو مہر بنانا اور اس کے ذریعے عورت کا حصول درست نہیں ہے۔

قارئین کرام! قرآن کریم کی آیت کریمہ اور دونوں روایتوں سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست نہیں ہے بلکہ مہر کا مال ہونا لازمی وضروری ہے اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب درست ہے اور قرآن وحدیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعلیم قرآن کو مہر بنانا درست نہیں ہے اگرچہ نکاح ہو جائے گا اور خاوند پر مہر مثل واجب ہوگا اور مذکورہ حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم قرآن کو مہر مقرر نہیں فرمایا بلکہ قرآن کے حفظ کی فضیلت کی وجہ سے نکاح کرا دیا تھا کیونکہ ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت میں مہر کا ذکر نہیں ہے کہ بلکہ اس بات کا ذکر ہے کہ **زوجتکھا فعلمھا سورۃ من القرآن** میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا اور تم اسے قرآن کریم کی تعلیم دو۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ فرماتے ہیں۔

اما النکاح علی سورۃ القرآن فلا یصح بل یجب مھر المثل و معنی قولہ علیہ السلام بما معك من القرآن یعنی بسبب فضیلۃ ما معك من القرآن (الی ان قال) ویحتمل ان یکون علیہ السلام وھب نفسھا لھٰذا الرجل بلا مھر کما وھبت نفسھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما کان للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تتزوجھا بلا مھر فھٰذا من خصوصیاتہ علیہ السلام

(تقریر ترمذی للشیخ الھند ص ۳۲)

بہر حال نکاح قرآن کی سورۃ کے بدلے (یعنی قرآن مہر بنانا) درست نہیں ہے بلکہ مرد پر مہر مثل واجب ہوگا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو تیرے پاس قرآن کا کچھ حصہ ہے (یعنی جو سورتیں تجھ کو یاد ہیں) اس کی فضیلت کے سبب تجھ سے نکاح کر دیا ہے (آگے مزید فرماتے ہیں) ممکن ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خاتون اس آدمی کو ہبہ کر دیا ہو (یعنی بغیر مہر کے نکاح فرما دیا) جیسا کہ اس خاتون نے خود کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کیا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وجہ سے قبول نہیں فرمایا) تو جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس خاتون سے بلا مہر نکاح کرنا بھی جائز تھا تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کا بغیر مہر کے نکاح فرما دیا)

اعتراض نمبر ۳۸:

آزادی کو مہر بنانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتق صفیة و تزوجها قال: فقیل له: ما اصدقها؟ قال اصدقها نفسها، جعل عتقها صداقها.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۸۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہؓ کو آزاد فرمایا پھر ان سے نکاح فرمایا راوی کہتے ہیں آپؐ سے پوچھا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیا مہر دیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کی جان مہر تھی یعنی ان کی آزادی کو مہر بنایا گیا تھا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لا یجوز الا بمهر (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں نکاح (میں آزادی کو مہر بنانا) جائز نہیں ہے مگر مہر (مقرر کرنے) کے ساتھ۔

جواب:

آزادی کو مہر تصور نہ کرنے کا مذہب امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ جمہور فقہاء کرام کا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں۔

اما کون العتق صداقا، فانه منعه فقهاء الامصار، ماعدا داود، واحمد.

(بداية المجتهد جلد ٤، ص ٢٤٠، مكتبه دار الكتب العلميه)

آزادی کو مہر بنانے کی ممانعت تمام فقہاء نے کی ہے سوائے داؤد اور امام احمد کے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی دلیل قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَن تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (النساء: آیت ۲۴)

اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ حکم ہوا اللہ کا تم پر اور حلال ہیں تم کو سب عورتیں ان کے سوا بشرطیکہ طلب کرو ان کو اپنے مال کے بدلے۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہر میں صرف اس چیز کو مقرر کرنا چاہیے جو مال ہو جبکہ کسی کو آزاد کرنا مال نہیں ہے اس وجہ سے آزادی کو مہر بھی مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ قرآن کریم کی آیت کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

اس نکاح میں آزادی مہر نہ تھی کیونکہ مہر کے لیے مال ہونا ضروری ہے جیسا کہ قرآن کریم سے ظاہر ہے اور آزادی مال نہیں ہے بلکہ یہ نکاح بغیر مہر کے تھا کیونکہ نکاح کے معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معاملات مخصوص تھے تو یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خصوصیت تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (الاحزاب: آیت ۵۰)

اور جو مسلمان عورت اگر ہبہ (بخش) دے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے کہ اس کو نکاح میں لائے یہ خاص ہے آپ کے لیے مسلمانوں کے علاوہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان عورت اپنے نفس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہبہ کر دے یعنی بغیر مہر کے آپ سے نکاح کرنا چاہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے نکاح کا ارادہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلا مہر بھی نکاح حلال ہے اور خصوصیت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے دیگر مسلمانوں کے لیے نہیں۔

جواب نمبر۲:

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل مذکورہ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قسم کا معاملہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس معاملے میں حکم دیا کہ اس مرد کو مہر جدید دینا ہوگا یعنی آزادی مہر نہ بنے گی چنانچہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

وکان فی ذلك الجیش فقد روی ابن عمر رضی الله عنهما عن رسول الله صلی الله علیه وسلم کما ذکرنا ثم قال هو من بعد النبی صلی الله علیه وسلم فی مثل هذا انه یجدد لها صداقاً. (طحاوی جلد۲، ص۱۵، حدیث نمبر۴۲۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس لشکر میں موجود تھے یہ (واقعہ جس میں آزادی مہر بنایا گیا تھا) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے جیسا کہ ہم نے (پہلے) ذکر کیا ہے پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قسم کے واقعے

میں حکم دیا کہ مرد عورت کو نیا مہر دے گا (یعنی آزادی مہر نہ بنے گی)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ حدیث میں مذکورہ واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہے کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۳۹:

فجر کی جماعت میں دوبارہ نفل کی نیت سے شریک ہونا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے دوروایتیں نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

شهدت مع النبی صلی الله علیه سلم حجته قال: فصلیت معه صلاة الصبح فی مسجد الخیف فلما قضی صلاته وانحرف اذا هو برجلین فی آخر القوم لم یصلیا معه فقال علی بهما فاِتی بهما ترعد فرائصهما فقال: ما منعکما ان تصلیا معنا؟ قالا یا رسول الله کنا قد صلینا فی رحالنا قال فلا تفعلا: اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۸۴)

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہوا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز مسجد خیف میں پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز سے فارغ ہوئے اور آپ (مقتدیوں کی طرف) مڑے تو لوگوں کے آخر میں دو آدمی تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو میرے پاس لاؤ پس ان دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ سلم کے پاس لایا گیا ان دونوں پر کپکپی طاری تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں کو کس چیز نے ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ ان دونوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اپنے کجاووں میں نماز پڑھ لی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، جب تم اپنے کجاووں میں نماز پڑھ لو پھر (جب) تم مسجد آؤ تو تم لوگوں کے ساتھ (جماعت کی) نماز پڑھو

یہ نماز تمہارے لیے نفل ہوگی۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

أن أبا حنيفة قال: لا تعاد الفجر (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فجر کی نماز کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ آدمی ظہر اور عشاء کی جماعت میں نفل کی نیت سے شریک ہوسکتا ہے لیکن فجر، عصر اور مغرب کی جماعت میں دوبارہ نفل کی نیت سے شریک ہونا درست نہیں ہے۔ (کتاب الآثار الامام محمد ص ۱۲۴، مکتبہ دار النوادر)

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

امام ابوحنیفہؒ فجر اور عصر کی جماعت میں دوبارہ شریک ہونے سے اس وجہ سے منع فرماتے ہیں کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے سے احادیث میں صریح ممانعت ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ۱:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

شهد عندی رجال مرضیون وارضاهم عندی عمر ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن الصلوة بعد الصبح حتی تشرق الشمس وبعد العصر حتی تغرب (بخاری جلد ۱ ص ۸۲، حدیث نمبر ۵۸۱)

میرے سامنے چند قابل اعتبار لوگوں نے گواہی دی اور ان میں سے سب سے زیادہ معتبر میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع

فرمایا ہے۔

حدیث نمبر۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صلوتين بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس.

(بخاری جلد ۱، ص ۸۳ حدیث نمبر ۵۸۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

حدیث نمبر۳:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان النبی صلی الله علیه وسلم نهی عن الصلاة بعد العصر الا والشمس مرتفعة (ابوداؤد جلد ۱، ص ۱۸۱، حدیث نمبر ۱۲۷۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا سوائے اس کے کہ سورج بلند ہو (تو اس وقت کی عصر پڑھنا درست ہے)

حدیث نمبر۴:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

انه طاف مع معاذ ابن عفراء فلم يصل فقلت الا تصلى؟ فقال ان رسول الله صلى الله عليه سلم قال: لا صلوة بعد العصر حتى تغيب الشمس ولا بعد الصبح حتى تطلع الشمس. (نسائی جلد ۱، ص ۹۰ حدیث نمبر ۵۱۹)

انہوں نے معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کیا تو انہوں نے نماز (طواف کی دو رکعت) نہیں پڑھی تو میں نے پوچھا کیا آپ نماز نہیں پڑھیں گے۔ تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج غروب

ہو جائے اور فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔

حدیث نمبر ۵:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

نهى رسول الله عليه وسلم عن الصلوة بعد الصبح حتى الطلوع وعن الصلوة بعد العصر حتى الغروب. (نسائی جلد ا، ص ۹۶، حدیث نمبر ۵۶۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

عن النبى صلى الله عليه وسلم لا صلوة بعد العصر حتى تغرب الشمس ولا صلوة بعد الفجر حتى تطلع الشمس. (ابن ماجہ ص ۸۸، حدیث نمبر ۱۲۴۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے اور فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں حتی کہ سورج طلوع ہو جائے۔

حدیث نمبر ۷:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن صلاة بعد الصبح حتى تطلع الشمس وعن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس.

(طحاوی جلد ا، ص ۱۹۱، حدیث نمبر ۱۷۷۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے فجر کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک (نفل) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

ناظرین کرام! ان احادیث سے امام ابو حنیفہؒ کا مذہب اظہر من الشمس ہے کہ جس آدمی نے فرض نماز پہلے ادا کر لی ہے تو فجر، عصر اور مغرب کی نماز میں شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ

نماز اس کی نفل ہوگی اور نبی کریم کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر اور عصر کے بعد نفل پڑھنے منع فرمایا ہے جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔اور رہی مغرب کی نماز تو امام ابوحنیفہؒ مغرب کی نماز میں شرکت کو اس وجہ سے درست نہیں سمجھتے کہ مغرب کی تین رکعات ہوتی ہیں اور نفل کی تین رکعات شریعت اسلامیہ میں ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان نمازوں کا استثنٰی منقول ہے

چنانچہ حضرت نافعؒ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں

ان ابن عمر قال: ان صليت في اهلك ثم ادركت الصلوة فصلها الا الصبح والمغرب فانهما لا يعادان في يوم. (طحاوی جلد۱،ص۲۲۴،حدیث نمبر۲۱۵۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر تم گھر میں نماز پڑھ چکو تو پھر نماز کو پالو تو فجر اور مغرب کے علاوہ نماز (جماعت سے) پڑھ لو کیونکہ یہ دونوں نمازیں ایک دن میں لوٹائی نہیں جاتیں۔

اس روایت میں اگر چہ فجر اور عشاء کا استثنٰی موجود ہے لیکن عصر کی نماز کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ عصر کے متعلق بھی نص موجود ہے کہ عصر کی نماز کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ احادیث گزر چکی ہیں۔

دلیل نمبر۳:

حضرت ناعم بن اجیلؒ فرماتے ہیں

كنت ادخل المسجد لصلاة المغرب فارى رجالاً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم جلوسا في آخر المسجد والناس يصلون فيه قد صلو في بيوتهم. (طحاوی جلد۱،ص۲۲۴،حدیث نمبر۲۱۰۵)

میں مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں داخل ہوتا تو میں (بعض اوقات) دیکھتا کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد کے آخر میں بیٹھے ہوتے اور وہ گھر میں نماز پڑھ چکے ہوتے اور لوگ

اس وقت (جماعت) کی نماز میں مشغول ہوتے (اور وہ جماعت کی نماز میں شریک نہ ہوتے۔)

ان دلائل سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی ہے کہ جس نے فرض نماز پہلے ادا کرلی ہوتو وہ دوبار فجر اور عصر کی نماز میں شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ نماز اس کے لیے نفل ہوں گی اور فجر، عصر کے بعد نفل ممنوع ہے۔ مغرب میں اس لئے شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ نفل تین رکعت شریعت میں مشروع نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ ہے جو شریعت کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

اس کے دو جوابات ہیں۔

جواب نمبر ا:

مذکورہ روایت میں موجود مسجد خیف کا واقعہ ہے اس میں نماز فجر کا ذکر ہے حالانکہ اس نماز کے متعلق روایات مختلف ہیں ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایت میں نماز فجر کا ذکر ہے جبکہ کتاب الآثار لامام محمد کی روایت میں یہ نماز ظہر کی تھی۔

چنانچہ امام محمد (المتوفی ۱۸۹ھ) امام ابوحنیفہؒ کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ ہیثم بن ابی ہیثم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً بیان فرماتے ہیں

ان رجلين من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم صليا الظهر فى منازلهما و هما يران ان الصلاة قد صليت فجاء والنبى صلى الله عليه وسلم فى الصلوة فقعدا ولم يدخلا (الى آخره)

(کتاب الآثار لامام محمد ص ۱۲۲، مکتبہ دار النوادر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں نے ظہر کی نماز اپنی اپنی جگہ میں پڑھ لی اور ان دونوں کا خیال تھا کہ نماز ہوچکی ہے وہ دونوں آئے اور اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہ دونوں بیٹھ گئے اور نماز میں داخل نہ ہوئے۔ (الیٰ آخرہ)

اور اسی طرح کتاب الآثار لابی یوسف ص ۳۲۱ میں بھی نماز ظہر کا ذکر ہے اور اصول

حدیث کے اعتبار سے کتاب الآثار کی اسانید زیادہ مضبوط ہے اور یہ کتابیں خیرالقرون میں لکھی گئی ہیں لہٰذا ترجیح کتاب الآثار کی روایات کو ہوگی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی ظہر کی نماز میں دوبارہ نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہونا جائز ہے۔

جواب نمبر۲:

ہمارے نزدیک مذکورہ روایت منسوخ ہے چنانچہ امام طحاویؒ حضرت ناعم بن اجیلؒ کی روایت جو دلیل نمبر۳ کے تحت گزر چکی ہے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فهؤلاء من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا لا يصلون المغرب في المسجد لما كانوا قد صلوها في بيوتهم ولا ينكر ذلك عليهم غيرهم من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ايضًا فذلك دليل عندنا على نسخ ما قد كان تقدمه من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لانه لا يجوز ان يكون مثل ذلك من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم قد ذهب عليهم جميعًا حتى يكونوا على خلافه ولكن كان ذلك منهم لما قد ثبت عندهم فيه من نسخ ذلك القول. (طحاوی جلد۱، ص ۲۲۴)

پس یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں جنہوں نے (دوسری بار) مسجد میں مغرب کی نماز (جماعت سے) نہیں پڑھی کیونکہ وہ اپنے گھروں میں نماز ادا کر آئیں تھے۔

اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی ان پر انکار (اعتراض) نہیں کیا ہمارے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی حدیث (جس مین دوبارہ جماعت میں شریک ہونے کے کا حکم ہے) کے لیے ناسخ ہے کیونکہ یہ جائز بھی نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو اور صحابہ

رضی اللہ عنہم اس کے خلاف چلیں (پختہ بات ہے کہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عمل اس وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک اس (حدیث) کا منسوخ ہونا ثابت ہو چکا تھا۔

قارئین کرام! ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایات امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مخالف نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کا موقف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق ہے۔

اعتراض نمبر ۴۰:

مسجد میں دوسری مرتبہ جماعت کرانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے ایک روایت نقل کی ہے جن کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

جاء رجل و قد صلی النبی صلی الله علیه وسلم: قال فقال له النبی صلی الله علیه وسلم ایکم یتجر علی هذا؟ قال فقام رجل من القوم فصلی معه.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۴)

ایک آدمی مسجد میں آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون اس کی نماز پر تجارت کرے گا حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اس آدمی کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لا تجمعوا فیه (ایضاً)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دوسری جماعت نہ کراؤ۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ جس مسجد میں امام مقرر ہو اور نمازوں کا وقت متعین ہو تو وہاں ایک مرتبہ نماز باجماعت ہو جانے کے بعد دوبارہ جماعت مکروہ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والذى نفسى بيده لقد هممت ان آمر بحطب يحطب ثم آمر بالصلوة فيوذن لها ثم آمر رجلا فيؤم الناس ثم أخالف الى رجال فاحترق عليهم بيوتهم.

(بخاری جلد ا، ص ۸۹، حدیث نمبر ۶۴۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا دل چاہتا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے پھر میں ان لوگوں کی طرف (جو نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوتے) جاؤں اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے پہلی جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے اگر دوسری جماعت بلا کراہت جائز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے والوں پر اتنی سختی کا اظہار نہ فرماتے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اقبل من نواحى المدينة يريد الصلوة فوجد الناس قد صلوا فمال الى منزله فجمع اهله فصلى بهم.

(مجمع الزوائد جلد ۴، ص ۴۰۹، حدیث نمبر ۲۲۰۶، مکتبہ دار المنہج)

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب ایک علاقے سے تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس حال

میں پایا کہ وہ نماز پڑھ پڑھ چکے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں اکٹھا کر کے نماز پڑھی۔

اگر مسجد میں دوبارہ باجماعت نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کی باجماعت نماز کا ثواب چھوڑ کر گھر میں نماز نہ پڑھتے بلکہ مسجد کی فضیلت حاصل کرتے۔

دلیل نمبر۳:

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں۔

قال عمر: لا یصلی بعد الصلاۃ مثلها

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ ص ۱۱۱ حدیث نمبر ۶۰۵۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نماز کے بعد اس کی جگہ اس جیسی دوسری نماز مکروہ ہے۔

دلیل نمبر۴:

حضرت ابراہیم نخعیؒ اور امام شعبیؒ فرماتے ہیں۔

قال: عبد الله: لا یصلی علی اثر صلاۃ مثلها.

(مصنف ابن شیبہ جلد۲ ص ۱۱۱ حدیث نمبر ۶۰۵۲)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک نماز کی جگہ اس جیسی دوسری نماز ادا نہ کی جائے۔

دلیل نمبر۵:

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

کان اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم اذا دخلوا المسجد وقد صلی فیه صلو فرادی (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ ص ۲۲۲ حدیث نمبر ۷۱۸۸)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی مسجد میں داخل ہوتے اور وہاں نماز ہو چکی ہوتی تو وہ حضرات اکیلے اکیلے نماز پڑھا کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۶:

حضرت افلحؒ فرماتے ہیں۔

دخلنا مع القاسم المسجد و قد صلی فیه قال: فصلی القاسم وحده.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲، ص۲۴۲، حدیث نمبر۷۱۸۹)

ہم حضرت قاسم کے ساتھ ایک مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں نماز ہو چکی تھی تو جناب قاسم نے اکیلے نماز ادا کی۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ جس مسجد میں ایک نماز با جماعت ادا کی جا چکی ہو تو وہاں دوسری جماعت کرانا درست نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

مذکورہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے مخالف نہیں ہے کیونکہ اس میں دوبارہ جماعت کی نماز کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک آدمی کے ساتھ فرض نماز میں نفل کی نیت سے شریک ہوا کیونکہ آنے والے آدمی کی نماز فرض تھی جب کہ وہ آدمی جو ساتھ شریک ہوا وہ پہلے نماز پڑھ چکا تھا۔ جیسا کہ حدیث کے مفہوم سے واضح ہے تو گویا کہ اس کی نماز نفل ہوئی اگر متنفل (نفل پڑھنے والے) مفترض (فرض پڑھنے والے) کی اقتداء کرے تو یہ صورت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی جائز ہے۔ جس صورت کو امام صاحب ناجائز اور مکروہ فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرض نماز پہلے جماعت کے ساتھ نہ پڑھی ہو اور اب اپنی دوبارہ اس مسجد میں جماعت کرائیں جہاں پہلے لوگ جماعت سے نماز ادا کر چکے ہوں تو اس صورت کا اس حدیث میں کوئی ذکر نہیں ہے لہٰذا یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۱۴۱:

غلام کو قتل کرنے پر مالک سے قصاص لینا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من قتل عبده قتلناه و من جدع عبده جدعناه (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی نے اپنے غلام کو قتل کیا تو ہم اسے قتل کریں گے اور جس نے اپنے غلام کی ناک کاٹی تو ہم اس کی ناک کاٹیں گے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لا یقتل به (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مالک کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

جواب:

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسئلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے موافق ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

اتی النبی صلی الله علیه وسلم برجل قتل عبده متعمداً فجلده رسول الله صلی الله علیه وسلم مأة جلدة ونفا سنة ومحا سهمه من المسلمین ولم یقده منه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶، ص ۳۶۹، حدیث نمبر ۲۸۵۸۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سو کوڑے لگائے اور اسے ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور مسلمانوں (مال غنیمت) سے اس کا حصہ ختم فرما دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قصاصاً قتل نہیں کیا۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

جاء ت جارية الى عمر بن الخطاب رضى الله عنه فقالت ان سيدى اتهمنى فاقعدنى على النار حتى احترق فرجى فقال لها عمر رضى الله عنه هل رأى ذلك عليك؟ قالت لا قال فهل اعترفت له بشئى قالت لا فقال عمر رضى الله عنه على به فلما رأى عمر الرجل قال اتعذب بعذاب الله قال يا امير المؤمنين اتهمتها فى نفسها قال رأيت ذلك عليها قال الرجل: لا قال فاعترفت لك به: قال لا قال: والذى نفسى بيده لو لم اسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يقاد مملوك من مالكه ولا ولد من والده لاقدتها. (سنن الکبری بیہقی جلد۸ص۶۵ حدیث نمبر۱۵۹۵۴)

ایک لڑکی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی میرے مالک نے مجھ پر تہمت لگائی اور مجھے آگ پر بٹھایا جس کی وجہ سے میری شرم گاہ جل گئی ہے حضرت عمرؓ نے اس لڑکی سے کہا کیا اس نے تمہیں دیکھا تھا؟ لڑکی نے کہا نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا تو نے اس کے سامنے (اس جرم کا) اعتراف کیا تھا کہنے لگی نہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے مالک کو میرے سامنے پیش کرو جب وہ آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کیا تو اللہ کے عذاب کے ساتھ (لوگوں کو) عذاب دیتا ہے تو اس نے کہا اے امیر المؤمنین اس پر بدکاری کا الزام تھا حضرتؓ نے پوچھا کیا تو نے اس کو ایسا کرتے دیکھا تھا تو اس نے کہا نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں نے "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ غلام کے بدلے اس کے مالک سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی اولاد کے بدلے اس کے والد سے" تو میں تجھ سے (ضرور) قصاص لیتا۔

دلیل نمبر۳:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قتل رجل عبده عمداً متعمدا فجلده رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة ونفا سنة ومحا سهمه من المسلمين (ابن ماجہ ص۱۹۱ حدیث نمبر ۲۶۶۴)

ایک شخص نے اپنے غلام کو عمداً قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سو کوڑے مارے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا اور مال غنیمت میں سے اس کا حصہ ختم کر دیا۔

دلیل نمبر ۴:

حضرت عمرو بن شعیبؒ فرماتے ہیں

ان ابا بكر وعمر كانا يقولان: لا يقتل المولى بعبده ولكن يضرب ويطال حبسه ويحرم سهمه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶، ص ۳۶۹، حدیث نمبر ۲۸۰۸۴)

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ آقا کو اس کے غلام کے بدلے میں (قصاصاً) قتل نہیں کیا جائے گا لیکن اسے کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کو لمبی قید میں ڈالا جائے گا اور اسے اس کے (مالِ غنیمت کے) حصہ سے محروم کر دیا جائے گا۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت مغیرہؒ روایت کرتے ہیں۔

عن عامر قال: اذا قتل الرجل عبده عمداً لم يقتل به.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶، ص ۳۶۹، حدیث نمبر ۲۸۰۸۴)

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں جب کوئی شخص اپنے غلام کو عمداً قتل کر دے تو اس کو اپنے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

دلیل نمبر ۶:

حضرت خالد بن ابو عمران فرماتے ہیں

سألت سالماً والقاسم عن رجل قتل عبده قالا: عقوبته ان يقتل ولكن لا يقتل به. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶، ص ۳۶۹، حدیث نمبر ۲۸۰۸۵)

میں نے حضرت سالم اور حضرت قاسم سے ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا جس نے

اپنے غلام کو قتل کر دیا ہو تو ان دونوں نے فرمایا اس کی سزا تو قتل ہے لیکن پھر بھی اسے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف احادیث کے موافق ہی ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایت اپنے ظاہر پر محمول نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مالکوں اور آقاؤں کو تنبیہ کرنے کے لئے فرمائی تھی تاکہ لوگوں اپنے غلاموں کے معاملہ میں جری نہ ہو جائیں اگر اس حدیث سے ظاہری معنی مراد ہو تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا یعنی وہ مالکوں کو قصاصاً قتل کرنے سے درگزر نہ کرتے جیسا کہ روایات گزر چکی ہیں۔

جواب نمبر ۲:

یہ روایت ضعیف ہے ابن ابی شیبہؒ نے اس روایت کی جو سند نقل کی وہ مرسل ہے کیونکہ حضرت حسن بصریؒ نے صحابی کا واسطہ ذکر نہیں کیا جب کہ بیہقی میں یہ روایت متصل ہے بیہقی کی سند میں حضرت حسن بصریؒ صحابی رسول حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت کرتے ہیں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام بیہقیؒ فرماتے ہیں۔

قال قتادة ثم ان الحسن نسی هذا الحدیث قال لا یقتل حر بعبد قال الشیخ یشبه ان یکون الحسن لم ینس الحدیث لکن رغب عنه لضعفه و اکثر اهل العلم بالحدیث رغبوا عن روایة الحسن عن سمرة و ذهب بعضهم إلی انه لم یسمع منه غیر حدیث العقیقه.

(سنن الکبریٰ بیہقی جلد ۸، ص ۶۴، حدیث نمبر ۱۵۹۵۲)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ اس حدیث (کو بیان کرنے کے بعد) بھول گئے اور کہنے لگے کہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا شیخ کہتے ہیں ممکن ہے کہ

حسن بصری حدیث بھولے نہ ہوں بلکہ اس کے ضعیف ہونے کی وجہ نے اس اسے چھوڑا ہو اور اکثر اہل علم نے اس حدیث کو (جو حضرت حسن نے حضرت سمرہ کی سند سے بیان کیا ہے) کو چھوڑا ہے (یعنی قبول نہیں کیا) اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ حسن بصری نے سمرہ سے سوائے حدیث عقیقہ کے کوئی روایت نہیں سنی۔

امام بیہقی آگے یحییٰ بن معین کے حوالے سے مزید نقل فرماتے ہیں۔

قال ابو النصر هاشم بن القاسم عن شعبة قال لم يسمع الحسن من سمرة قال: سمعت يحيى بن معين يقول لم يسمع الحسن من سمرة شيئاً هو كتاب قال يحيى فى حديث الحسن عن سمره من قتل عبده قتلناه ذاك فى سماع البغداديين ولم يسمع الحسن من سمرة.

ابونصر ہاشم بن قاسم امام شعبہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ امام شعبہ کہتے ہیں حضرت حسن بصری نے سمرہؓ سے سماع نہیں کیا اور میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا کہ حسن بصری نے سمرہؓ سے کچھ بھی نہیں سنا بلکہ وہ ایک کتاب سے نقل کرتے ہیں یہ حدیث جو حسن بصری نے سمرہؓ کے حوالے سے نقل کی ہے "من قتل عبده قتلناه" اس کے بارے میں یحییٰ بن معین فرماتے ہیں حسن بصری نے سمرہ سے نہیں سنی۔

قارئین کرام یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث اور حضرات خلفاء راشدین کے عمل کے بھی خلاف ہے، اور بیہقی کے حوالے سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف اور نا قابل عمل ہے۔ لہٰذا اس ضعیف اور غیر معمول بہا روایت سے امام ابوحنیفہؒ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر ۴۲:

نماز فجر کے دوران سورج کا طلوع ہونا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من ادرك رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك الصلاۃ: من ادرك من صلاۃ الفجر رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصلاۃ. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۸۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پا لے تو تحقیق اس نے نماز پالی اور جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالے تو تحقیق اس نے نماز پالی۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: اذا صلی رکعة من الفجر ثم طلعت الشمس لم تجزئه (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جب آدمی فجر کی ایک رکعت پڑھ لے اور سورج طلوع ہو جائے تو اس آدمی کو یہ فجر کی نماز سے کفایت نہ کرے گی (یعنی فجر کی نماز نہیں ہوگی)

جواب:

اس مسئلہ میں روایات متعارض ہیں کیونکہ بعض روایتوں میں ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کے دلائل ہیں۔ بعض احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل

حدیث نمبر ا:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان رسول الله علیه وسلم قال لا یتحری احد کم فیصلی عند طلوع الشمس ولا عند غروبها (مسلم جلد ا، ص ۲۷۵، حدیث نمبر ۱۹۲۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی سورج کے طلوع ہونے کے وقت اور غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے۔

حدیث نمبر ۲:

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلى فيهن او ان نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس و حين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب

(مسلم جلد ۱، ص ۲۷۶ حدیث نمبر ۱۹۲۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تین اوقات سے منع فرماتے تھے کہ ہم ان (تین اوقات میں) نماز پڑھیں یا ان (اوقات) میں ہم اپنے مردوں کو دفن کریں (ایک یہ کہ) جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ (سورج) بلند ہو جائے اور جب نصف النہار (زوال) کا وقت ہو یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے اور جس وقت سورج غروب ہونے کے لیے اتر رہا ہو یہاں تک کہ غروب ہے ہو جائے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب زوال اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے لیکن ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت سے اجازت معلوم ہو رہی ہے لہٰذا دونوں روایتیں ایک دوسرے کی معارض ہیں پس تعارض کے وقت ان دونوں قسم کی روایتوں پر عمل کرنا محال ہے لہٰذا اب قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قیاس جس روایت کو ترجیح دے گا اس روایت پر عمل کیا جائے گا لہٰذا امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اجتہاد اور قیاس سے ایک رائے قائم کی اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے فجر کی نماز شروع کی اور سورج طلوع ہو گیا تو اس کی فجر کی نماز فاسد ہو جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ فجر کی نماز میں سورج کے طلوع ہونے کے وقت سے پہلے کوئی ناقص وقت نہیں ہوتا بلکہ فجر کا تمام وقت کامل ہوتا ہے لہٰذا جب آدمی کامل وقت میں نماز شروع کرے گا تو واجب بھی کامل ہوگا یا کوئی کافر سورج نکلنے سے اتنی دیر پہلے مسلمان ہو گیا جتنی دیر میں وہ ایک رکعت پڑھ سکتا ہو یا نابالغ بچہ بالغ ہو گیا، حائضہ یا نفساء پاک ہو گئیں، یا پاگل تندرست ہو گیا، تو ان حضرات پر وہ نماز فرض اور لازم ہو گی تو جب نماز کامل لازم ہوئی ہے تو ضروری ہے اس کی ادائیگی بھی کامل ہو لیکن نماز کی حالت میں سورج

کے طلوع ہونے سے ناقص وقت داخل ہوگیا لہٰذا اس نماز کی ادائیگی اب ناقص ہو جائے گی اس وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ لیکن عصر کی نماز اگر آخری وقت میں شروع کی اور سورج غروب ہوگیا تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ نماز درست ہے کیونکہ سورج کے زرد ہونے سے لے کر غروب آفتاب تک جو وقت ہے وہ ناقص ہے اگر اس وقت میں نماز شروع کی تو نماز شروع ہی ناقص وقت میں کی تھی تو اس کی ادائیگی بھی ناقص ہوگی لہٰذا سورج کے غروب ہونے کا ناقص وقت داخل ہونے سے نماز کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نماز درست ہو جائے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کسی بھی حدیث کی مخالفت نہیں بلکہ دونوں قسم کی روایات پر عمل کیا ہے کیونکہ جب احادیث میں تعارض واقع ہوا تو امام صاحب نے قیاس کی طرف رجوع کیا اور قیاس نے ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت کو نماز عصر میں ترجیح دی کہ نماز عصر درست ہوگی اور نہی والی احادیث کو نماز فجر میں ترجیح دی کہ نماز فجر ایسی صورت میں درست نہ ہوگی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ حدیث کے مخالف نہیں۔

اعتراض نمبر ۴۳:

کفارے کا مال کن لوگوں کو دیا جائے

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

جاء رجل الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: هلكت قال: وما اهلك؟ قال: وقعت علی امرأتی فی رمضان، قال: اعتق رقبة قال لا اجد قال صم شهرین قال لا استطیع قال: اطعم ستین مسكیناً قال: لا اجد قال: اجلس فجلس فبینما هو كذلك اذ أتی بعرق فیه تمر قال له النبی صلی الله علیه وسلم و اذهب فتصدق به قال والذی بعثك بالحق ما بین لابتیی المدینة اهل بیت افقر الیه منا فضحك حتی بدت انیابه ثم قال انطلق فاطعمه عیا

لك (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۵)

ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں تو ہلاک ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے ہلاک کر دیا ہے؟ اس آدمی نے کہا میں نے رمضان میں (حالت روزہ میں) اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کر لی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک غلام (بطور کفارہ) آزادہ کرو تو اس آدمی نے کہا میرے پاس غلام نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو مہینے کے روزے رکھو اس آدمی نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اس نے کہا میرے پاس (مسکینوں کو کھلانے کے لئے) نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو وہ آدمی بیٹھ گیا۔ اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تھال لایا گیا اور اس میں کھجوریں تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیٹھے ہوئے آدمی سے فرمایا یہ لے جاؤ اور صدقہ کر دو۔ اس آدمی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے مدینہ کی دھرتی پر ہم سے زیادہ فقیر اور محتاج کوئی گھرانہ نہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اطراف والے دانت ظاہر ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور یہ اپنے اہل خانہ کو کھلا دو۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لا یجوز یطعمه عیاله (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو (یہ صدقہ) کھلانا جائز نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کفارے کا مال صدقہ واجبہ میں سے ہے اور صدقہ واجبہ اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ صدقہ واجبہ کا مصرف اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ

وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (التوبہ: آیت۶۰)

صدقات (واجبہ) دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا، اوران اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں، اوران کا جن کی دلداری مقصود ہو اور غلاموں کو آزاد کرنے میں اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافروں کی مدد میں خرچ کیا جائے یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے واضح طور پر صدقات واجبہ کے مصرف کا ذکر ہے لیکن ان مصارف میں اہل وعیال کا ذکر نہیں۔ لہٰذا اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کفارے کے مال (صدقہ واجبہ) کو اہل وعیال پر خرچ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

جواب نمبر۱:

یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس روایت میں اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کہ گھر والوں کو کھلانے سے کفارہ بھی ادا ہو گیا۔

بلکہ اس روایت میں سے تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس آدمی کے پاس اپنے گھر والوں کو کھلانے کے لئے کچھ نہیں تھا اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی سے کہا کہ یہ کھجوریں اپنے گھر والوں کو کھلا دے اور جب طاقت ہو تو کفارہ ادا کر دے۔

جواب نمبر۲:

یہ حکم صرف اسی شخص کے ساتھ خاص تھا اور کسی کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ چنانچہ یہی حدیث امام ابوداؤدؒ نے سنن ابی داؤد میں امام زہریؒ کی سند سے نقل کی ہے اور امام زہریؒ نے ان الفاظ کی زیادتی کی ہے۔

انما کان هذا رخصة له خاصة فلو ان رجلا فعل ذلك اليوم لم يكن له بدٌّ

من التکفیر (ابوداؤد جلد ۱، ص ۳۲۵، حدیث نمبر ۲۳۹۱)

یہ حکم (کہ کھجوریں اپنے اہل وعیال کو کھلا دے) صرف اسی شخص کے ساتھ خاص ہے اگر اب کوئی اس گناہ کا ارتکاب کرے گا تو اسے کفارہ ادا کیے بغیر چارہ نہیں۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی مذہب حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۴۴:

عذر کی وجہ سے عید کی نماز دوسرے دن ادا کرنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں

ابوعمیر بن انس روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

حدثنی عمومتی من الانصار من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اغمی علینا ھلال شوال فاصبحنا صیاماً فجاء رکب من آخر النھار فشھدوا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم رأوا الھلال بالامس فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یفطروا و ان یخرجوا الی عیدھم من الغد.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۵)

حضرت ابوعمیر بن انس فرماتے ہیں کہ میرے انصاری چچاؤں نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے انہوں نے مجھ سے بیان کیا ہم پر شوال کا چاند چھپا رہ گیا (بادل وغیرہ کی وجہ سے) اور ہم نے صبح کو روزہ رکھ لیا دن کے آخر میں کچھ لوگ آئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ انہوں نے کل رات چاند دیکھا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو روزہ توڑ دینے کا حکم دیا اور دوسرے دن عید کی نماز کے لیے عیدگاہ کی طرف نکلنے کا حکم دیا۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفہ قال: لا یخرجون من الغد (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے دن لوگ عید کے لیے نہیں نکلیں گے۔

جواب:

امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس مسئلہ کی نسبت کرنا درست نہیں ہے کیونکہ فقہ حنفی کی تمام معتبر کتابوں میں اسی مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ اگر عید کے دن کسی عذر کی وجہ سے عید کی نماز نہ پڑھی گئی ہو تو اگلے دن عید کی نماز پڑھی جا سکتی ہے چنانچہ چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری میں ہے۔

فان غم الهلال عنهم وشهدوا عند الامام برؤية الهلال بعد الزوال صلى العيد من الغد (قدوری ص ۳۵ مکتبہ الحسن)

اگر چاند لوگوں سے پوشیدہ ہو جائے اور لوگ امام وقت کے پاس زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو وہ دوسرے دن (لوگوں کو) عید کی نماز پڑھائے گا۔

اسی طرح صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں:

و لما شهدوا بالهلال بعد الزوال امر بالخروج الى المصلى من الغد
(ہدایہ جلد ۱، ص ۱۸۳)

جب لوگ چاند کی گواہی زوال کے بعد دیں تو امام وقت لوگوں کو دوسرے دن عید گاہ کی طرف (عید کی نماز پڑھنے کے لیے) نکلنے کا حکم کرے۔

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ فقہ حنفی میں اس بات کی اجازت ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے پہلے دن عید کی نماز نہ پڑھی جا سکے تو دوسرے دن پڑھی جا سکتی ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی مسلک ہے۔ چنانچہ صاحب بحرالرائق علامہ ابن نجیم مصری تحریر فرماتے ہیں۔

ولم يذكر في الكتب المعتبرة اختلاف في هذا و ذكر في المجتبى عن الطحاوى في شرح الأثار ان هذا قول ابى يوسف و قال ابو حنيفة ان فاتت في اليوم الاول لم تقض (البحر الرائق جلد ۲ ص ۲۸۴ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(احناف کی) معتبر کتابوں میں اس مسئلے کے متعلق کوئی اختلاف مذکور نہیں اور صرف مجتبیٰ میں امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کے حوالے سے مذکور ہے اور یہ رائے صرف امام ابو

یوسف کی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا فرمان (مسلک) یہ ہے کہ اگر پہلے دن عید کی نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں کی جا سکتی۔

البحر الرائق کے حوالے سے یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس رائے کو منسوب کرنے کے لیے واحد ماخذ شرح معانی الآثار ہے لیکن طحاوی میں موجود قول کی حیثیت کمزور ہے خود امام طحاوی تحریر فرماتے ہیں۔

وهو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی فیما رواه عند بعض الناس ولم نجده فی روایة ابی یوسف عند هکذا کان فی روایة احمد رحمهما الله تعالی (طحاوی جلد ۱ ص ۲۳۶)

بعض علماء کی روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی قول ہے (کہ عید کی نماز دوسرے دن ادا کرنا جائز نہیں) حالانکہ امام ابویوسف اور اسی طرح امام احمد کی روایت میں ہم نے (الگ رائے) کو نہیں پایا۔

قارئین کرام! ان دلائل سے یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت کے مطابق ہی ہے۔

اعتراض نمبر ۴۵:

مصراۃ جانور کی خرید و فروخت کا مسئلہ

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے دو روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں

قال النبی صلی الله علیه وسلم من اشتری مصراه فهو فیها بالخیار ان شاء ردها معها صاعًا من تمرة. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۶)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے مصراہ کو خریدا تو اس کو اس بیع میں اختیار ہے اگر چاہے واپس کردے اور ساتھ ایک صاع کھجور بھی واپس کردے۔

ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: بخلافه (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ اس کے برخلاف فرماتے ہیں۔

جواب:

پہلے یہ سمجھئے کہ مصراۃ کہتے کسے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا اس مسئلہ میں نظریہ کیا ہے۔

یاد رکھیں کہ تصریہ اصل میں ایسی بکری کو کہتے جس کا دودھ تھنوں میں روک لیا گیا ہو یعنی کچھ دنوں تک دودھ دوہا نہ گیا ہو اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تھن بھرے ہوئے معلوم ہوتا کہ خریدنے والا یہ سمجھے کہ بکری زیادہ دودھ دیتی ہے اگرچہ دیگر روایات میں منع کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اگر کسی نے ایسا کیا اور بکری کو بیچ دیا اور مشتری کو خریدنے کے بعد تصریہ کا علم ہوا تو مذکورہ حدیث میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشتری ایک صاع کھجور بائع کو ادا کرے کیونکہ اس نے بکری کا دودھ استعمال کیا ہے یہ اس کا عوض ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کو اختیار حاصل ہے کہ بیع کو فسخ (ختم) کر دے جبکہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بیع ختم کرنے کا اختیار نہیں اور حدیث مصراۃ پر امام ابوحنیفہؒ کا عمل نہیں ہے اس پر امام ابوحنیفہؒ کے مختلف دلائل ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

جس طرح دیگر محدثین نے حدیث کو رد و قبول کرنے کے لیے مختلف اصول قائم کیے ہیں تو اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے بھی حدیث کے رد و قبول یا قابلِ عمل ہونے کے لیے کچھ اصول قائم کیے ہیں تو امام صاحب کے ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ حدیث قرآن کریم کے موافق ہو اگر کوئی روایت کتاب اللہ کے خلاف تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نا قابل عمل ہے جیسا کہ اصول کرخی میں اس کی تفصیل موجود ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب حدیث قرآن کے بظاہر مخالف ہو تو قرآن کو اصل قرار دے کر اس پر عمل کریں گے اور حدیث کے متعلق دو صورتیں ہوں گی۔

(۱) حدیث میں اگر تاویل ہوسکتی ہے تو اس میں کوئی ایسی تاویل کریں گے جس سے قرآن اور حدیث کا اختلاف ختم ہو جائے اور حدیث پر بھی عمل ہو سکے۔

(۲) اگر تاویل نہیں ہوسکتی تو قرآن کو اصل قرار دے کر اس پر عمل کریں گے اور حدیث شاذ اور نا قابل عمل شمار ہو گی۔

اس اصول کو مد نظر رکھ کر اب سمجھے کہ حدیث مصراۃ پر امام ابوحنیفہؒ کا عمل کیوں نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن ابی شیبہ کی نقل کردہ روایت قرآن کریم کے عام اور مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔

قرآن کریم میں اللہ کا فرمان ہے۔

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (البقرہ:۱۹۴)

اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی کا فرمان ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل:۱۲۶)

اگر تم لوگ کسی ظلم کا بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہے۔

ان آیات میں ایک ضابطہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ بدلہ برابر کا ہونا چاہیے۔ لیکن اگر مصنف ابن ابی شیبہ کی مذکورہ روایت پر عمل کیا جائے تو قرآن کریم کے اس اصول اور ضابطہ کی مخالفت لازم آتی ہے اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا اگر کسی کی کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا عوض بالمثل ہونا چاہیے جبکہ مذکورہ حدیث میں ایک صاع کھجور دینے کا ذکر ہے حالانکہ ایک صاع کھجور دودھ کا نہ مثل صوری ہے اور نہ ہی مثل معنوی یعنی جو دودھ مشتری نے استعمال کیا ہے یہ کھجور اس کی قیمت نہیں ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے نص قطعی یعنی قرآن کے حکم کو ترجیح دی ہے۔

دلیل نمبر ۲:

امام ابوحنیفہؒ کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ اگر کوئی حدیث یا روایت

شریعت کے عمومی مزاج اور مسلمہ اصول کے خلاف ہوتو وہ قابل عمل نہیں ہے جیسا کہ قاضی ابو زاہد دبوسی الحنفی (المتوفی ۴۳۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

اصل عند اصحابنا ان خبر الاحاد متی ورد مخالفا لنفس الاصول لم یقبل اصحابنا. (تأسیس انتظر ص ۱۵۶ مکتبه دار زیدون)

ہمارے اصحاب کے ہاں اصول یہ ہے کہ خبر واحد اگر نفس اصول کے خلاف ہوتو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس اصول کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث شریعت کے مسلمہ اصول اور مزاج کے خلاف ہے کیونکہ شریعت کا عام اصول ہے کہ جو شخص کسی چیز کا ضامن ہوتا ہے تو اس کے نفع کا حق دار بھی وہی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الخراج بالضمان

(ابوداؤد جلد۲، ص۴۹۵، حدیث نمبر ۳۵۰۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلام نے فرمایا جو خرچ اُٹھاتا ہے وہی اس کے فوائد کا بھی حق دار ہے۔

یہ حدیث ابوداؤد کے علاوہ نہیں سنن الکبری اور طحاوی میں بھی موجود ہے اس حدیث میں ایک عام ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص خرچ اُٹھاتا ہے تو اس سے حاصل ہونے والا نفع بھی اسی آدمی کے لئے ہوگا جبکہ حدیث مصراۃ اس بیان کردہ عمومی ضابطہ کے خلاف ہے کیونکہ حدیث مصراۃ میں بیع کے فسخ کی صورت میں مشتری بائع کو ایک صاع کھجور ادا کرے کیونکہ اس نے کچھ دن دودھ استعمال کیا ہے یہ کھجور اس دودھ کا عوض ہے حالانکہ حدیث "الخراج بالضمان" کے مطابق جو خرچہ اٹھاتا ہے وہی اس کے فوائد کا حق دار ہے زیر نظر مسئلہ میں مشتری بکری کا ضامن ہے یعنی اس کے کھانے پینے کا انتظام مشتری کے ذمہ ہے اگر بالفرض بکری ان دنوں میں مشتری کے پاس مرجاتی تو نقصان مشتری کا ہی ہوتا بائع کا نہیں کیونکہ

ضامن مشتری ہے تو جب ضامن مشتری ہے تو اگر اس نے کچھ دن دودھ استعمال کیا ہے تو وہ اس کا حق دار تھا جب کہ حدیث مصراۃ پر عمل کرنے کی وجہ سے اس اصول اور ضابطہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

دلیل نمبر ۳:

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تصریہ اصل میں دھوکہ ہے اور بائع نے ایسا کر کے مشتری کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور ایسی صورت میں اصول تو یہ ہے کہ جو نقصان مشتری کا ہوا ہے بائع سے اس کی تلافی کروائی جائے لیکن حدیث مصراۃ میں ہے کہ مشتری (جس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے) ایک صاع کھجور ادا کرے حالانکہ یہ اصول کے خلاف ہے جس کا نقصان ہوا ہے کھجور بھی وہی ادا کرے؟

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ قرآن وحدیث اور اصول کے عین مطابق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

اس مذکورہ حدیث کے متعلق امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ ہے کہ یہ کوئی اصولی ضابطہ یا واجب حکم نہیں بلکہ یہ حدیث صلح پر محمول ہے کہ اس طریقہ سے مشتری اور بائع کے جھگڑے کو ختم کیا جا سکتا ہے یعنی اس حدیث میں بائع اور مشتری کے درمیان جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے اور امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اعتراض نمبر ۴۶:

مختلف اجناس کو ملا کر نبیذ بنانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے چار روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ينبذ التمر والزبيب جميعًا والبسر والتمر جميعاً (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۶)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور اور کشمش کی اکٹھی نبیذ بنانے سے منع فرمایا اور (اسی طرح) کچی اور پکی کھجور کی اکٹھی نبیذ بنانے سے منع فرمایا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: لا بأس به (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان میں کوئی حرج نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا استدلال مختلف احادیث سے ہے ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينبذ له زبيب فيلقى فيه تمر و تمر فيلقى فيه الزبيب. (ابوداؤد جلد۲، ص۵۲۱، حدیث نمبر۳۷۰۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کشمش کی نبیذ بنائی جاتی تو اس میں کھجور ڈال دی جاتی اور جب کھجور کی نبیذ بنائی جاتی تو اس میں انگور ڈال دیا جاتا تھا۔

دلیل نمبر۲:

صفیہ بنت عطیہ فرماتی ہیں۔

دخلت مع نسوة من عبد القيس على عائشه فسألنا بها عن التمر و الزبيب؟ فقالت كنت آخذ قبضة من تمر وقبضة من زبيب فالقيه فى اناء فامرسه ثم اسقيه النبى صلى الله عليه وسلم.

(ابوداؤد، جلد۲، ص۵۲۱، حدیث نمبر۳۷۰۸)

میں عبدالقیس کی چند عورتوں کے ساتھ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور میں نے آپ سے کھجور اور کشمش (ملا کر نبیذ بنانے) کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے

فرمایا میں ایک مٹھی کھجور اور ایک مٹھی کشمش لیتی اور ایک برتن میں ڈال دیتی پھر میں اسے (اپنے ہاتھ سے) مل دیتی پھر میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلاتی۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت سلیمان حضرت ابن زیاد سے روایت کرتے ہیں۔

انه افطر عند عبد الله ابن عمر رضی الله عنهما فسقًا شراباً له فكانه اخذه فيه فلما اصبح قال ما هذا الشرب ما كدت اهتدى الى منزلى فقال عبد الله ما زدناك على عجوة و زبيب

(کتاب الآثار لامام محمد جلد ۱، ص ۶۹۹، حدیث نمبر ۸۲۶)

کہ انہوں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس روزہ افطار کیا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں ایک مشروب پلایا تو گویا کہ اس نے اس کو پکڑ لیا جب صبح ہوئی تو اس نے کہا کہ یہ شربت کیا ہے میں اپنے گھر کی راہ نہیں پا سکتا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں زیادہ کیا ہم نے آپ پر خشک انگور اور کھجور سے۔

دلیل نمبر ۴:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

انه كان ينبذ له نبيذ الزبيب فلم يكن يستمرئه فقال للجارية اطرحی فيه تمرات (کتاب الآثار لامام محمد، جلد ۱، ص ۷۰۰، حدیث نمبر ۸۲۷)

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے خشک انگور بھگویا جاتا تھا اور کھجور نہ ڈالی جاتی تھی تو انہوں نے باندی سے کہا اس میں کھجور ڈال دے۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ مختلف اجناس کو ملا کر نبیذ بنانا درست ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استعمال فرمایا ہے۔

ابن ابی شیبہ رح کی نقل کردہ روایات کا جواب:

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ان روایات میں موجود نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں اور ایسی نبیذ

سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں نشہ بہت جلد آتا ہے اور منع کی اصل علت نشہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: کل شراب اسکر فھو حرام.

(طحاوی جلد ۲، ص ۳۰۸، حدیث نمبر ۶۳۱۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ مشروب جو نشہ لائے وہ حرام ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مختلف اجناس کی نبیذ ہو یا کوئی اور مشروب وہ اس وقت حرام ہے جب اس میں نشہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا ان روایات میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے منع فرمایا ہے کیونکہ ان میں نشہ جلدی پیدا ہوتا ہے تو بطور احتیاط کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اجناس کی یہ نبیذ بنانے سے ہی منع فرما دیا۔

جواب نمبر ۲:

یہ حکم مسلمانوں کو ابتدائی دور میں تھا۔ بعد میں اجازت دے دی گئی چنانچہ مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں

لا بأس بشرب نبیذ التمر والزبیب اذا خلطھما فانھما اذا کرھا لشدۃ العیش فی الزمن الاول کما کرہ السمن واللحم فاما اذا وسع اللہ تعالی علی المسلمین فلا بأس بھما.

(کتاب الآثار لامام محمد، ص ۳۵۶، مترجم حدیث نمبر ۸۱۴)

کھجور اور خشک انگور کی نبیذ پینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ دونوں کو ملا کر بھگوئے۔ ان دونوں کو ملا کر بھگونا ابتدائے زمانے میں معاش کی تنگی کی وجہ سے مکروہ تھا جیسے گھی اور گوشت مکروہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وسعت عطا کی تو ان دونوں کو اکٹھا بھگونا درست ہے۔

قارئین کرام! ان جوابات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب حدیث کے مخالف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۴۷:

بطور حلالہ کے نکاح کرنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے پانچ روایات نقل کی ہیں جن میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله المحلل والمحلل له.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی لعنت کرتا ہے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہو۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة قال اذا تزوجها ليحلها فرغب فيها فلا بأس ان يمسكها

(ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب آدمی عورت سے حلالہ کے غرض سے نکاح کرے پھر آدمی کو وہ عورت پسند آ گئی تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں (یعنی جائز ہے) کہ اسے اپنے ہی پاس رکھ لے۔

جواب:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں رہتی اس عورت کے حلال ہونے کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ یہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستری بھی کرے پھر وہ دوسرا خاوند اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو اب عدت گزارنے کے بعد اس عورت کا دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کرنا حلال ہے لیکن پہلے شوہر سے طلاق ملنے کے بعد دوسرے خاوند سے محض اس وجہ سے نکاح کرنا کہ اس سے ہمبستری کرنے کے بعد طلاق لے لے گی یا دوسرے خاوند سے یہ بات طے کر کے نکاح کرنا کہ وہ ہمبستری کے بعد طلاق دے دے گا تا کہ پہلے خاوند سے

دوبارہ نکاح کر لے تو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ایسا نکاح کرنا حرام اور لعنت کا موجب ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے۔

اس مسئلہ میں اصل سوال یہ ہے کہ باوجود ایسا نکاح لعنت کا موجب ہونے کے اگر کسی عورت نے طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کر لیا تو کیا ان کا نکاح نافذ ہوگا یا نہیں۔ تو امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں کو اس فعل کا گناہ ضرور ہوگا لیکن اس کے باوجود چونکہ یہ نکاح اپنی شرائط کے مطابق ہوا ہے اس لیے یہ نکاح درست ہے اور اگر یہ شخص اس عورت کو مستقل اپنے پاس رکھنا چاہے تو رکھنا صحیح ہے۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مروجہ حلالہ حرام اور باعث گناہ ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس نکاح کو درست مانتے۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے دلائل ملاحظ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت محمد ابن سیرینؒ فرماتے ہیں۔

ارسلت امرأة الى رجل فزوجته نفسها ليحلها لزوجها فامره عمر: ان يقيم عليها ولا يطلقها واوعده بعاقبة ان طلقها.

(مصنف عبدالرزاق جلد ۵ ص ۳۱۰ حدیث نمبر ۱۱۵۴۸، مکتبہ دار التاصید)

ایک عورت نے ایک آدمی کو پیغام بھیجا اور اپنا نکاح اس کے ساتھ کر دیا تا کہ وہ شخص اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کروا دے (جب حضرت عمر کو اس نکاح کا علم ہوا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو حکم دیا کہ وہ شخص اس عورت کو اپنے پاس رکھے اور اسے طلاق نہ دے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو ڈرایا کہ اگر اس نے طلاق تو وہ اسے سزا دیں گے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت ابن جریر الطبری کی تہذیب الآثار میں حضرت ابن سیرین سے مروی ہے

ان رجلاً طلق امرأته وأمر رجلا يقال له: ذو الخرقتين ان يتزوجها ليحلها له ممكث ثلاثا لا يخرج ثم خرج و عليه ثوب فقال له الرجل: اين ما قاولتك عليه؟ فابى ان يطلقها فأتى في ذلك عمر بن الخطاب فقال: الله رزق ذا الخرقتين وامضى نكاحه.

(کنز العمال جلد۹،ص۷۰۴حدیث نمبر۲۸۰۵۲)

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس نے ایک دوسرے آدمی سے جیسے ذوالخرقتین کہا جاتا تھا سے کہا کہ وہ اس کی بیوی سے نکاح کر لے تا کہ وہ اس کی بیوی کو اس کے لیے حلال کر دے چنانچہ (نکاح ہو گیا اور اس کے بعد) وہ تین دن تک گھر میں ٹھہرا رہا اور (گھر سے باہر نہیں نکلا پھر باہر نکلا اور اس نے (عمدہ قسم) کا کپڑا اوڑھ رکھا تھا عورت کے پہلے خاوند نے کہا کہ میں نے جو بات تجھ سے کی تھی وہ وہ کہاں ہیں؟ ذوالخرقتین نے عورت کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو وہ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے لے گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ نے ذوالخرقتین کو بیوی عطا کی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نکاح کو نافذ رکھا۔

قارئین کرام! ان دلائل سے واضح ہوا کہ اس مسئلہ میں اگر چہ اس قسم کا نکاح موجب لعنت ہے لیکن اگر کسی نے کر لیا تو گناہ ہو گا لیکن اگر بیوی کو مستقل رکھنا چاہے تو رکھنا درست ہو گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف حدیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے موقف کے مخالف نہیں کیونکہ امام صاحب بھی ان روایات کے پیش نظر اس قسم کے نکاح کو گناہ اور لعنت کا باعث سمجھتے ہیں اور ان روایات میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اگر کسی نے حلالہ کے طور پر نکاح کیا تو اس بیوی کو مستقل رکھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

اعتراض نمبر ۴۸:

راستے سے ملی ہوئی چیز کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے دو روایات نقل کی ہیں جن میں سے حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اللقطة فقال: عرفها فان جاء صاحبها ولا فاستنفقها (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۸۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گری پڑی چیز کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سال تک اس کی پہچان (اعلان) کرواؤ پس اگر اس کا مالک آ جائے (تو اسے دے دو) وگرنہ تم اس کو خرچ کر ڈالو۔

اور حضرت سوید بن غفلہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

خرجت انا و زید بن صوحان، و سلمان بن ربیعة حتی اذا کنا بالعذیب التقطت سوطا فقالا لی: الفه، فأبیت فلما اتینا المدینة أتیت ابی بن کعب فسألته فقال التقطت مئة دینار علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت ذلك له فقال: عرفها سنة فعرفتها سنة فلم اجد احداً یعرفها فاتیته فقال عرفها سنة فان وجدت صاحبها فادفعها الیه والا فاعرف عددها ووعائها ووکائها ثم تکون کسبیل مالك. (ایضا)

میں اور زید بن صوحان اور سلمان بن ربیعہ نکلے یہاں تک کہ جب ہم عذیب مقام پر پہنچے تو میں نے ایک لاٹھی کو گری ہوئی اُٹھائی تو ان دونوں نے مجھ سے کہا اس لاٹھی کو پھینک دو میں نے انکار کیا، جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ابی ابن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سو دینار گرے ہوئے اُٹھائے تو میں نے اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سال تک اس کی پہچان (اعلان) کرواؤ

پس میں نے ایک سال تک اس کی پہچان (اعلان) کروایا لیکن میں نے ان دیناروں کو پہچاننے والا کسی ایک کو بھی نہیں پایا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کی ایک سال تک پہچان (اعلان) کرواؤ پھر اگر تم اس کے مالک کو پالو تو یہ اس کو دے دو وگرنہ تم اس کی تعداد اس کا برتن اور اس کی رسی کی پہچان کرواؤ پھر یہ تمہارے مال کی طرح ہوگا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة قال: ان جاء صاحبها غرم له (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اگر لقطہ (خرچ کرنے کے بعد اس) کا مالک آ جائے تو اسے تاوان ادا کرنا پڑے گا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر سال تک لقطہ کا اعلان کرنے کے بعد مالک نہ ملے تو جس کے پاس وہ چیز موجود ہے اسے استعمال کرنے کی اجازت ہے لیکن اس شخص کے ذمے باقی رہے گی اور اگر سال کے بعد بھی مالک آ گیا تو اصل چیز یا اس کی قیمت ادا کرنا لازمی اور ضروری ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہ موقف احادیث کے موافق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت زید بن خالد الجھنیؓ سے مروی ہے

ان رجلا سأل رسول الله عليه وسلم عن اللقطة قال عرفها سنة ثم أعرف عفاصها ووكاءها ثم استنفق بها فان جاء ربها فادها اليه.

(بخاری، جلد ۱، ص ۳۲۹، حدیث نمبر ۲۴۳۶)

ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ (گری پڑی چیز) کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سال تک تو اس کا اعلان کرتا رہ پھر اس بندھن اور

بناوٹ کو ذہن میں یاد رکھ پھر اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرو اگر اس کا مالک (اس کے بعد) آجائے تو اسے واپس کردو۔

دلیل نمبر۲:

مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی مذکور ہے۔

ثم عرفها سنة فان لم يجی صاحبها كانت وديعة عندك

(مسلم جلد۲،ص۷۹،حدیث نمبر۴۵۰۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سال تک پہچان (اعلان) کرواؤ اور اگر اس کے کے بعد اس کا مالک نہ آئے تو وہ چیز تیرے پاس امانت ہوگی۔

دلیل نمبر۳:

بسر بن سعید حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل عن اللقطة فقال: عرفها سنة فان جاء باغيها فادها اليه ولا فاعرف عفاصها و وكاء ها ثم كلها فان جاء باغيها فادها اليه (ابو داؤ جلد ۱، ص ۲۳۹، حديث نمبر ۱۷۰۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لقطہ (راستے میں گری چیز) کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک سال تک اس کی تشہیر کرو اگر اس اس کا ڈھونڈنے والا آجائے تو اسے اس کے حوالے کردو وگرنہ اس کی تھیلی اور سر بندھن کی پہچان رکھو اور اسے کھالو (یعنی استعمال کرلو) اب اگر اس کا ڈھونڈنے والا آجائے تو اسے (اس کی قیمت) ادا کردو۔

دلیل نمبر۴:

قد سئل رسول الله عليه وسلم عن اللقطة من الذهب والفضة والورق فقال اعرف وكاء ها و عفاصها ثم عرّفها سنة فان لم تعرف فاستنفع بها

لتكن وديعة عندك فان جاء لها طالب يوما من الدهر فادها اليه.

(طحاوی جلد۲ص ۲۵۷،حدیث نمبر ۵۹۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (راستے میں) گرے ہوئے سونے چاندی کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بندھن اور سر بند کو اچھی طرح پہچان لو پھر ایک سال تک تشہیر کرو اگر مالک معلوم نہ ہو تو استعمال کرو اور تیرے پاس بطور امانت ہے اور اگر اس کا مالک آجائے اس کو واپس لوٹا دو۔

دلیل نمبر۵:

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

یعرفها حولا فان جاء صاحبها والا تصدق بها او باعها و تصدق بثمنها غیر ان صاحبها بالخیار ان شاء ضمنه و ان شاء ترکه (کتاب الآثار لامام محمد، جلد ا،ص ۱۶۷،حدیث نمبر ۸۹۰)

کہ انہوں نے لقطہ (گری پڑی چیزوں) کے بارے میں فرمایا اس کے متعلق ایک سال تک تشہیر کرے اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو لوٹا دے ورنہ اس کو خیرات کردے یا اس کو بیچ دے اور اس کی قیمت صدقہ کردے لیکن اس کے مالک کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس سے بدلہ لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ لقطہ کے استعمال کے بعد اگر مالک آجائے تو اس کی چیز واپس کرے یا اس کی قیمت ادا کرے کیونکہ وہ ملتقط (جس کے پاس چیز موجود ہے) کے پاس امانت ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ابن ابی شیبہؒ کی مذکور روایات امام صاحبؒ کے مذہب کے مخالف نہیں ہے اگرچہ ان روایات میں واپس کرنے کا کوذکر نہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں اس کے واپس کرنے کا ذکر ہے کیونکہ یہ ملقط کے پاس بطور امانت کے ہے۔

جواب نمبر۲:

ان روایات میں اگر چہ واپس کرنے کا ذکر نہیں لیکن ان روایات کے الفاظ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ واپس کرنا ضروری ہے کیونکہ ان روایات میں واضح طور پر مذکورہ ہے کہ اس چیز کو اچھی طرح پہچان لینا چاہیے اب اگر یہ چیز مالک کو واپس کرنا ضروری نہیں تو ان چیزوں کی شناخت کرنے کا کیا مطلب؟ ان چیزوں کی پہچان کا فائدہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ جب یہ مانا جائے کہ یہ چیز یا اس کی قیمت اصل مالک کے آنے کے بعد اسے واپس دے دی جائے۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر۴۹:

درخت پر لگے ہوئے کچے پھلوں کی خرید وفروخت کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے نو روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن بيع الثمر حتى يبدو صلاحه.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۸ ص۳۸۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے پھل کو بدو صلاح (پکنے) سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا:

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

ان النبى صلى الله عليه سلم نهى عن بيع الثمر حتى تحرز من كل عارض. (ایضاً)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا یہاں تک کہ وہ عارض (مصیبت) سے محفوظ ہوجائیں۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة قال: لا بأس ببيعه بلحًا (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس کو کچا بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ جمہور امت کی طرح یہ ہے کہ کچے پھلوں کی بیع مطلقاً منع نہیں بلکہ اس کی ممانعت ایک خاص علت کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ کچے پھلوں کی بیع کرنے میں یہ خطرہ رہتا ہے کہ پکنے سے پہلے پھلوں کو کوئی خرابی نہ آ جائے اور وہ برباد نہ ہو جائے ہو جائیں اس صورت میں بائع (خریدار) کی رقم بھی ضائع ہو جائے گی اور بائع اور مشتری میں جھگڑا پیدا ہو جائے گا۔ تو اس علت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان الناس فی عهد رسول الله صلی الله علیه هم یتبابعون الثمار فاذا جد الناس و حضر تقاضیهم قال المبتاع انه اصاب الثمر الدقان اصابه مراض اصابه قشام عاهات یحتجون بها فقال رسول الله غلیه وسلم لما کثرت عنده الخصومة فی ذلك فاما لا تتابعوا حتی بیدو صلاح.

(بخاری جلد ۱، ص ۲۹۲، حدیث نمبر ۲۱۹۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ پھلوں کی خرید و فروخت (درختوں پر پکنے سے پہلے) کیا کرتے تھے جب پھل کٹنے کا وقت آتا اور مالک قیمت کا تقاضا کرتے تو خریدار (بطور عذر کے) کہتا کہ اس کا گابھا خراب ہو گیا ہے اس کو بیماری لگ گئی یہ ٹھٹھر گیا ہے پھل بہت کم آئے ہیں (اسی طرح مختلف آفتوں کو بیان کر کے) جھگڑتے (تا کہ قیمت کروالیں) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے جھگڑے کثرت سے آنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جھگڑے کو ختم کرنے لیے) فرمایا جب تک پھلوں کی اصلاح ظاہر نہ ہو جائے (یعنی پکنے سے پہلے) اس کی بیع نہ کرو۔

اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بدو صلاح سے پہلے پھلوں کی بیع کرنے سے ممانعت اختلاف اور جھگڑے کا ماحول پیدا نہ ہو تو بیع جائز ہے وگرنہ نہیں۔

کچے پھلوں کی بیع کی فقہاء کرام نے تین صورتیں بیان کی ہیں۔

پہلی صورت:

کچے پھلوں کی بیع اس شرط سے کی جائے کہ پھل کو پکنے کے بعد اتارا جائے گا تو یہ صورت فقہاء کے نزدیک ناجائز ہے اور یہی وہ صورت ہے جس سے احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

دوسری صورت:

کچے پھلوں کی بیع اس شرط کے ساتھ کی جائے کہ پھل بیع کے فوراً بعد ہی کچا اتار لیا جائے گا تو یہ صورت بالا جماع جائز ہے کیونکہ اس صورت میں وہ علت نہیں جس کی بنا پر کچے پھلوں کی بیع کیا گیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ پھلوں کو فوراً اتار لینے کی صورت میں ان کے درختوں میں خراب ہونے کا اندیشہ نہیں اور نہ ہی بائع کی رقم ضائع ہوگی اور نہ ہی جھگڑا ہوگا۔

تیسری صورت

کچے پھلوں کی بیع کی جائے لیکن اس بات کی کوئی وضاحت نہ ہو کہ پھل کب اتارے جائیں گے پھل فوراً بعد ہی اتار لیا جائے گا یا پکنے کے بعد اتارا جائے گا یہ صورت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور بائع کو حق حاصل ہے کہ وہ خریدار کو درخت سے پھل اتارنے پر مجبور کرے یہ صورت بھی درحقیقت دوسری صورت کی طرح ہی ہے یعنی اس میں بھی پھل کے خراب ہونے اور مشتری کی رقم کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جھگڑے سے بچنے کے لئے خریدار کو فوراً ہی پھل اتارنے پر مجبور کرے لہٰذا یہ صورت بھی جائز ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے خلاف نہیں امام صاحبؒ کے نزدیک ان روایات

میں ممانعت کی علت جھگڑا اور فساد ہے لہٰذا جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں ممانعت ہوگی اور جہاں نہیں پائی جائے گی وہاں بیع جائز ہوگی جیسا کہ مکمل تفصیل گزر چکی ہے۔

اعتراض نمبر ۵۰:

لڑکے اور لڑکی کی بالغ ہونے کی عمر

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت نقل کی ہے۔

جس کے الفاظ یہ ہیں فرماتے ہیں

عرضت على النبى صلى الله عليه وسلم يوم احد وانا ابن اربع عشرة فاستصغرنى و عرضت عليه يوم الخندق و انا ابن خمس عشرة فاجازنى قال نافع فحدثت به عمر بن عبد العزيز قال: فقال هذا حدّ بين الصغير والكبير قال مكتب الى عماله ان يفرضوا لابن خمس عشرة فى المقاتله ولابن اربع عشرة فى الذرية (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۸۹)

مجھے احد والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اور میری عمر اس وقت چودہ سال کی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھوٹا سمجھا اور (پھر) مجھے خندق والے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت میری عمر پندرہ برس تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (جہاد پر جانے کی) اجازت دے دی۔

حضرت نافع ؒ فرماتے ہیں میں نے یہ واقعہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ چھوٹے اور بڑے میں (فرق کرنے کے لیے) حد ہے پھر انہوں نے اپنے عمال (گورنروں) کو لکھ بھیجا کہ وہ پندرہ سال کی عمر کے لڑکوں کو مقاتلین میں شمار کریں (یعنی فوج میں بھرتی کرلیں) اور چودہ سال کی عمر کے لڑکوں کو بچوں میں شمار کریں۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة قال: ليس على الجارية شئى حتى تبلغ ثمان عشره اور سبع

عشرۃ (ایضاً)

لڑکی پر اٹھارہ سال یا سترہ سال تک پہنچنے تک (شرعی احکام میں سے) کچھ بھی لازم نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر لڑکے میں بلوغت کی مثلاً احتلام اور بالوں کا اگنا وغیرہ ظاہر نہ ہوں تو اس کی لیے آخری حد اٹھارہ سال کی عمر ہے اس کے بعد ان کا شمار بالغوں میں ہوگا۔ جبکہ لڑکی کے بلوغت کی علامات ظاہر نہ ہونے کی صورت میں آخر حد سترہ سال کی عمر ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا استدلال قرآن کریم کی آیت سے ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهُ اٰتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ

(یوسف: آیت ۲۲)

اور جب پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ہم نیکی کرنے والوں کو۔

اس آیت میں بالغ کے لیے "اشد" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اس لفظ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

ما بین ثمانی عشرۃ سنۃ الی ثلاثین (تفسیر ابن جریر الطبری جلد ۱۳ ص ۶۸)

"اشد" اٹھارہ سال سے لے کر تیس سال تک کو کہتے ہیں۔

اسی طرح امام ضحاکؒ نے "اشدہ" کی تفسیر عشرین سنۃ بیس سال کی عمر سے کی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر بلوغت کی علامات ظاہر نہ ہو تو اٹھارہ سال کی عمر میں لڑکوں کو کا شمار بالغوں میں ہوگا اور لڑکی میں چونکہ لڑکے کی بنسبت بلوغت جلدی آتی ہے۔ اس لیے اس کے اس لئے اس کے حق میں ایک سال کی کمی رکھی گئی۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

پہلی روایت میں جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ایک مخصوص واقعہ ہے جس کا ان سے [illegible]

یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہو گئے تھے ممکن ہے کہ بلوغت کی علامات چودہ سال کی عمر میں ظاہر نہ ہوئی ہو اس وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس لوٹا دیا اور پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہونے کی علامات ظاہر ہو گئی ہو اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی مذہب ہے کہ اگر اٹھارہ سال سے پہلے پہلے بلوغت کی علامات ظاہر ہو جائے تو وہ بالغ شمار ہوگا۔ اختلاف تو اس صورت میں ہے جب بلوغت کے آثار ظاہر نہ ہو تو پھر اٹھارہ سال کی عمر میں بالغ شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ حدیث کے مخالف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۱۵:

کچے پھلوں کا اندازہ لگا کر زکوٰۃ وصول کرنا

اس مسئلہ میں امام ابن ابی شیبہؒ پانچ روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر عتاب بن اسید ان یخرص العنب کما یخرص النخل فیؤدی زکاته زبیبا کما تؤدی زکاۃ النخل تمرًا، فتلك سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النخل والعنب۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۸۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کھجوروں کا تخمینہ لگائے جیسا کہ انہوں نے انگوروں کا تخمینہ لگایا ہے تاکہ انگوروں کی زکوٰۃ کشمش کی شکل میں ادا کی جائے ایسے ہی تر کھجوروں کی زکاۃ خشک کھجور کے بدلے ادا کی جائے۔ کھجوروں اور انگوروں (کی زکوٰۃ) کے بارے میں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں

حضرت عبدالرحمٰن بن مسعودؒ فرماتے ہیں۔

جاء سهل بن ابی حثمة الی مجلسا، فحدث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: اذا خرصتم فخذوا ودعوا۔ (ایضاً)

ہماری مجلس میں سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ آئیں اورانہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم تخمینہ لگاؤ تو کچھ مقدار) لےلو اور (کچھ) چھوڑ دو۔

پانچویں روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت بشیر بن یسار فرماتے ہیں

ان عمر کان یبعث ابا حثمة خارصًا للنخل. (ایضاً)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابو حثمہ کو کھجوروں کا تخمینہ لگانے کے لیے بھیجتے تھے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة کان لا یری الخرص. (ص۳۹۰)

امام ابو حنیفہؒ تخمینہ لگانے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

جواب:

زکوۃ کے باب میں خرص کا مطلب یہ ہے کہ حاکم وقت کھیتوں اور باغوں میں پھلوں کے پکنے سے پہلے ایک آدمی بھیجے جو یہ اندازہ لگائے کہ اس سال پیداوار کتنی ہوگی۔ پھر اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ تخمینہ اور اندازہ سے جتنی پیداوار ثابت ہو جائے اور اس کے مطابق پہلے سے کٹے ہوئے پھلوں میں سے عشر وصول کر سکتا ہے یا نہیں۔ تو اس بارے امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں کمی بیشی کا قوی احتمال ہے مثلاً درخت پر لگے کچے پھلوں کا تخمینہ اگر دس من کا ہو تو اس میں عشر ایک من ہوگا لیکن قوی امکان ہے کہ پکنے کے بعد پھلوں کی اصل مقدار آٹھ من نکل آئے تو اس صورت میں اگر پہلے سے کیے گئے اندازے کے مطابق عشر وصول کیا جائے تو لازمی بات ہے کہ مالک کا مال جتنا واجب ہے اس سے زیادہ حکومت کے پاس چلا جائے گا یا یہ بھی ممکن ہے پکنے کے بعد پھلوں کی اصل مقدار بارہ من نکل آئے تو اس صورت میں حکومت اپنے حصے کا مکمل پھل حاصل نہ کر پائے گی۔ اس لیے امام صاحبؒ کے نزدیک پھلوں کے کٹنے کے بعد ان کی صحیح مقدار دوبارہ معلوم کر کے اس کے مطابق عشر نکالا جائے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ صورت بیع مزابنہ کی

ہے جو شرعاً ممنوع ہے یعنی درختوں پر لگے پھلوں کی بیع کٹے ہوئے پھلوں سے کرنا درست نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهى عن المزابنة والمزابنة اشتراء التمر بالتمر كيلا و بيع الكرم بالزبيب كيلا.

(بخاری جلد ۱،ص ۲۹۱،حدیث نمبر ۲۱۸۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ (کی بیع) سے منع فرمایا۔اور مزابنہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کی ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے ناپ کر خریدنے اور درخت پر لگے انگور کو خشک انگور کے بدلے میں ناپ کر فروخت کرنے کو کہتے ہیں۔

دلیل نمبر۲:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهى عن المزابنة، والمحاقلة والمزابنة اشتراء الثمر بالتمر في رؤوس النخل.

(بخاری جلد ۱،ص ۲۹۱،حدیث نمبر ۲۱۸۶)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا مزابنہ درخت پر لگی کھجور کو توڑی ہوئی کھجور کے بدلے میں خریدنے کو کہتے ہیں۔

دلیل نمبر۳:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن المحاقله والمزابنة.

(بخاری جلد ۱،ص ۲۹۱،حدیث نمبر ۲۱۸۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیع) مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا۔

دلیل نمبر۴:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المحاقلة والمخاضرة، والملامسة والمنابذة والمزابنة. (بخاری جلد ا،ص ۲۹۳، حدیث نمبر ۲۲۰۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیع) محاقلہ، مخاضرہ، ملامسہ، منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔

دلیل نمبر۵:

حضرت رافع بن خدیج اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن المزابنة بیع الثمر بالتمر الا اصحاب العرایا فانه اذن لھم. (بخاری جلد ا،ص ۳۲۰، حدیث نمبر ۲۳۸۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ یعنی درخت پر لگے ہوئے کھجور کو خشک کھجور کے بدلے بیچنے سے منع فرمایا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو کٹے ہوئے خشک پھلوں کے بدلے میں بیچنا یا خریدنا درست نہیں ہے اور مذکورہ مسئلہ میں بھی یہی صورت ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہؒ پھلوں کا اندازہ لگا کر زکوۃ وصول کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کا مسئلہ احادیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

جواب نمبرا:

ان روایات میں خرص کا مطلب یہ نہیں کہ اندازہ لگانے سے ہی اتنے مقدار کی ریاست مالک ہوگئی ان روایات میں خرص (اندازہ) لگانے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ حکومت کو معلوم ہو جائے کہ اس سال کتنی پیداوار ہوگی چنانچہ امام طحاویؒ عبداللہ ابن رواحہ کی روایت کا جواب

دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہ انما ارید یخرص ابن رواحۃ لیعلم بہ مقدار ما فی ایدی کل قوم من الثمار، فیؤخذ مثلہ بقدرہ فی وقت الصرام لا انھم یملکون منہ شیئًا مما یجب للہ فی ببدل لا یزول ذلک البدل عنھم وکیف یجوز ذلک؟ وقد یجوز ان تصیب بعد ذلک آفۃ فتتلفھا او نار فتحرقھا فتکون ما یؤخذ من صاحبھا بدلاً من حق اللہ تعالی فیھا مأخوذا منہ بدلا مما لم یسلم لہ ولکنہ انما ارید بذلک الخرص ما ذکرنا. (طحاوی جلد۱،ص۳۱۸،حدیث نمبر۳۰۲۲)

حضرت عبداللہ بن رواحہ سے اندازہ لگوانے کا مقصد (صرف) یہ تھا کہ معلوم ہو جائے کہ قوم کے پاس کتنا پھل ہے تاکہ کٹائی کے وقت اتنا پھل ان سے وصول کیا جائے (اندازہ لگوانے کا مقصد) یہ نہیں کہ وہ اندازہ کرنے سے اتنی چیز کی مالک بن گئے جس میں اللہ کا حق واجب ہوتا ہے اور اس کا بدل ادا کرنا ان پر ضروری ہو گیا (آپ ہی فرمائیے) یہ کیسے جائز ہے؟ کیونکہ ممکن ہے کہ اندازہ کرنے کے بعد اس پر کوئی آفت پہنچے اور وہ پھل ہلاک ہو جائے یا آگ سے جل جائے (اس صورت میں) گویا مالک سے ایسی چیز کا بدل لیا جائے گا جو اس نے وصول ہی نہیں کیا لہٰذا اس (خرص) لگانے سے وہی مراد ہے جس کا ہم نے نے ذکر کیا ہے (یعنی محض مقدار معلوم کرنا)

جواب نمبر۲:

اس مسئلہ کی تمام روایات کو دیکھنے سے بالخصوص سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت کا نہیں جس وقت زکوٰۃ وصول کی جائے کیونکہ جس وقت پھل کی مقدار اتنی ہو جائے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو اس سے کم نہیں کیا جا سکتا مثلاً درخت پر لگے پھلوں کا تخمینہ (اندازہ) اگر دس من ہے تو اس میں ایک من عشر واجب ہوگا۔ اس ایک من سے کچھ بھی کم کرنا جائز نہیں لیکن ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ تیسری روایت جو سہل بن حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تخمینہ لگانے کے بعد کچھ

مقدار چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے جو اس بات میں صریح ہے کہ خرص (اندازہ لگانے) کا حکم محض درختوں میں موجود پھلوں کی مقدار معلوم کرنے کے لیے تھا نہ کہ اسی اعتبار سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے۔ چنانچہ امام طحاوی تحریر فرماتے ہیں:

فقد علمنا ان ذلك لا يكون في وقت ما يؤخذ الزكوٰة لان ثمرته لو بلغت مقدار ما يجب فيه الزكاة لم يحط عنه شئ مما وجب عليه فيها فاخذ منه ما وجب عليه فيها بكماله هذا ما اتفق عليه المسلمون ولكن الحطيطة المذكورة في هذا الحديث انما هي قبل ذلك في وقت ما يأكل من الثمرة اهلها قبل او ان أخذ الزكاة منها فامر الخراص ان يلقوا مما يخرصون المقدار المذكور في هذا الحديث لئلا يحتسب به على اهل الثمار في وقت اخذ الزكوٰة منهم. (طحاوی جلد ا، ص ۳۱۸، حدیث نمبر ۳۰۲۳)

تحقیق، ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ حکم اس وقت کا نہیں ہے جس وقت زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے کیونکہ جب اس کا پھل اس مقدار کو پہنچ جائے جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو جتنا واجب ہوگا اس سے کم نہیں کیا جائے گا بلکہ جتنا واجب ہے اس سے مکمل لیا جائے گا اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے تو اس حدیث میں جس مقدار کے چھوڑنے کا ذکر ہے تو یہ اس سے پہلے کی بات ہے جب زکوٰۃ کو ادا کرنے سے پہلے مالکان اس (پھل) سے کھاتے تھے تو اخراص (اندازہ لگانے والے) کو حکم دیا کہ جس پھل وغیرہ کا وہ اندازہ لگائے اس سے اتنی مقدار چھوڑ دے جو اس حدیث (مذکورہ) میں ہے تا کہ ان سے زکوٰۃ لیتے ہوئے اس (پھل) کا حساب نہ کیا جائے۔

جواب نمبر ۳:

امام صاحبؒ کے نزدیک یہ روایات منسوخ ہے اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ پہلے خرص (اندازہ لگانے) کا حکم دیا لیکن بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرص سے منع فرما دیا چنانچہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: نھی عن الخرص وقال ارأیتم ان هلك الثمر ایحب احدکم ان یأکل مال اخیه بالباطل.

(طحاوی جلد ۱، ۳۱۹، حدیث نمبر ۳۰۲۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرص (اندازہ لگانے) سے منع فرمایا اور فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر پھل ہلاک ہو جائے تو کیا تم پسند کرتے ہو کہ اپنے بھائی کا مال ناجائز طریقے سے کھاؤ۔

قارئین کرام! اس واضح روایت اور دیگر دلائل سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ احادیث کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۵۲:

باپ کا اپنی اولاد کے مال کا مالک ہونا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے چھ روایات نقل کی ہیں جن میں سے (پہلی روایت) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اطیب ما اکل الرجل من کسبه وولده من کسبه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۰)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی سب سے پاکیزہ جو (مال) کھاتا ہے وہ اس کی اپنی کمائی ہے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔

(تیسری روایت) حضرت امام شعبیؒ روایت کرتے ہیں

جاء رجل من الانصار الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ ان ابی عصبنی مالی فقال: انت و مالك لابیك (ایضاً)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک انصاری حاضر ہوا اور اس نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ نے میرا مال غصب کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔

(پانچویں روایت) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

یأکل الرجل من مال ولده ما شاء، ولا یأکل الولد من مال والده الا باذنه. (ایضاً)

آدمی اپنی اولاد کے مال میں سے جتنا چاہے کھا سکتا ہے اور اولاد اپنے والد کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر نہیں کھا سکتی۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا صحیح موقف یہ ہے کہ باپ ضرورت کے وقت اپنی اولاد کے مال کو استعمال کر سکتا ہے ہاں امام صاحبؒ کے نزدیک باپ کو اولاد کے مال میں مطلق مالکیت حاصل نہیں لیکن اپنی ضرورت اور حاجت کے وقت اولاد کے مال کو بقدر ضرورت اور حاجت خرچ کر سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا یہ مسئلہ احادیث کے موافق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

قال النبی صلی الله علیه وسلم بمنیً: اتدرون ای یوم هذا؟ قالوا الله ورسوله اعلم فقال فان هذا یوم حرام افتدرون ای بلد هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال بلد حرام. افتدرون ای شهر هذا قالوا الله ورسوله اعلم قال: شهر حرام قال: فان الله حرم علیکم دماء کم و اموالکم و اعراضکم کحرمة یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا.

(بخاری جلد ۱، ص ۲۳۵، حدیث نمبر ۱۷۴۲)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مقام) منیٰ میں فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ آج کون

سا دن ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے فرمایا کہ اللہ اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حرمت والا دن ہے (پھر فرمایا) کیا تم جانتے ہو کہ یہ شہر کون سا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حرمت والا شہر ہے (پھر فرمایا) کہ تم جانتے ہو کہ یہ مہینہ کون سا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا خون، تمہارا مال اور عزت ایک دوسرے پر ایسے حرام کر دی ہے۔ جیسے اس دن کی حرمت اس مہینہ اور اس شہر میں ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: فی خطبته یوم النحر فی حجة الوداع ان اموالکم و اعراضکم و دمائکم حرام بینکم فی مثل یومکم هذا فی مثل بلد کم هذا الا لیبلغ الشاهد الغائب.

(طحاوی جلد۲ ص۲۷۲ حدیث نمبر ۶۰۲۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم نحر کو حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ بے شک تمہارا مال تمہاری عزتیں اور تمہارا خون تمہارے درمیان حرام ہے ہیں جیسا کہ آج کا دن تمہارے اس شہر میں حرمت والا ہے۔ سن لو! تم میں سے جو موجود ہیں وہ اس پیغام کو ان تک پہنچا دیں دے جو غائب ہیں۔

دلیل نمبر۳:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خطبهم فی حجة الوداع فقال ألا ان دمائکم واموالکم حرام علیکم الی ان تلقوا ربکم کحرمة یومکم هذا

فی شھر کم ھذا فی بلد کم ھذا. (طحاوی جلد۲ص۲۷۳حدیث نمبر۶۰۲۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں (یہ) خطبہ دیا اور فرمایا سنو بے شک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر حرام ہیں یہاں تک کہ تم اللہ سے ملاقات کرو یہ اس طرح حرام جیسے تمہارے اس مہینے اور تمہارے اس شہر میں یہ دن حرمت والا ہے۔

ان روایات اور ان جیسی دیگر روایات کو نقل کرنے کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں

فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمۃ الاموال کحرمۃ الابدان فکما لا یحل ابدان الابناء للآبائی الا بالحقوق الواجبہ فلذلک لا یحل لھم اموالھم الا با لحقوق الواجبۃ. (طحاوی جلد۲ص۲۷۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی حرمت کو بدن کی حرمت کی طرح قرار دیا ہے۔ جیسے بیٹوں کے ابدان (بدن) اباء (والد) کے لیے حلال نہیں سوائے حقوق واجبہ کے اسی طرح اولاد کا مال والد کے لیے سوائے واجب حقوق کے حلال نہیں ہے۔

دلیل نمبر۴:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اولادکم ھبۃ اللہ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ فھم واموالھم لکم اذا احتجتم الیھا.

(سنن الکبری للبیہقی جلد۷،ص۴۸۸،حدیث نمبر۱۵۷۵۱،مکتبہ دار الکتب العلمیہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری اولادیں تمہارے لیے ''اللہ کا عطیہ ہے اللہ جیسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔'' بس تمہاری اولادیں اور ان کا مال تمہارے لیے ہیں جب تمہیں اس کی ضرورت پیش آئے۔

دلیل نمبر۵:

حضرت قیس ابن ابی حازمؒ فرماتے ہیں

حضرت ابا بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فقال لہ رجل یا خلیفۃ رسول اللہ

هذا يريد ان يأخذ مالي كله ويجتاحه فقال ابوبكر رضي الله عنه انما لك من ماله ما يكفيك فقال يا خليفة رسول الله اليس قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انت و مالك لابيك فقال ابوبكر رضي الله عنه ارض بما رضي الله به. (بیہقی جلد ۷، ص ۷۹۰، حدیث نمبر ۱۵۷۶۰)

میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ کو ایک آدمی نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ (میرا والد) ارادہ رکھتا ہے کہ وہ میرا سارا مال لے لے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (اس کے باپ سے) فرمایا اس کے مال سے تیرے لیے اتنا ہی ہے جتنا تجھے کافی ہو جائے تو اس (کے باپ) نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا تو اور تیرا مال تیرے والد کا ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو اس چیز پر راضی ہو جس پر اللہ راضی ہے۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت قیس بن ابی حازم سے مروی ہے

جاء رجل الى ابي بكر الصديق فقال: ان ابي يريد ان يأخذ مالي كله لحاجة فقال لابيه انما لك من ماله ما يكفيك فقال يا خليفة رسول الله أليس قال رسول الله صلى الله وسلم انت و مالك لابيك؟ فقال نعم و انما يعني بذلك النفقة ارض بما رضي الله عز وجل.

(کنز العمال جلد ۱۶، ص ۵۷۷، حدیث نمبر ۴۵۹۳۹، مکتبہ مؤسسہ الرسالہ)

ایک شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرا باپ میرا سارا مال اپنی ضرورت کے لیے لینا چاہتا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کے باپ سے کہا کہ تیرے لیے اس کے مال میں سے (صرف) اتنا ہی جو تجھے کافی ہو تو اس (شخص کے باپ) نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں کہ تو اور تیرا مال دونوں تیرے والد کے ہیں تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا جی ہاں

(لیکن) اس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد (باپ کا) نفقہ (خرچ) ہے (نہ یہ کہ سارا مال خرچ کر دے اور اولاد کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑے)

پس تم اس چیز پر راضی رہو جس پر اللہ راضی ہے۔

قارئین کرام! ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ امام صاحبؒ کا مسئلہ احادیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مخالف نہیں ہیں کیونکہ ان روایات میں یہ بات کہیں مذکور نہیں ہے کہ والد کو بیٹے کے مال میں کلی طور پر ملکیت حاصل ہے اور ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے ان روایات سے صرف اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ باپ بیٹے کے مال کو استعمال کر سکتا ہے وہ بھی اپنی ضرورت کے بقدر جیسا کہ دوسری روایت میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی وضاحت فرما دی ہے کہ ''واموالھم لکم اذا احتجتم'' اولادوں کا مال تمہارے لیے ہے جب تمہیں ان کی ضرورت پیش آئے۔ یہ روایت بیہقی کے حوالے سے دلیل نمبر ۴ کے تحت گزر چکی ہے۔ تو اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی تفصیل بیان فرما دی ہے کہ اولادوں کا مال تمہارا ہے لیکن بقدر ضرورت نہ کہ کلی ملکیت حاصل ہے اور امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ضرورت کے وقت اولاد کے مال کو استعمال کرنا درست ہے ہاں بیٹے کے مال کا مالک نہیں حق استعمال الگ چیز ہے اور حق تصرف الگ۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے ان روایات کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان روایات پر بھی امام ابوحنیفہؒ کا عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۵۳:

اونٹ کے پیشاب کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

قدم ناس من عرينة المدينة فاجتووها، فقال لهم النبی صلی الله علیه وسلم ان شئتم ان تخرجوا الی ابل الصدقة فتشربوا من ابوالها والبانها فافعلوا. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۰)

عرینہ سے کچھ لوگ مدینہ میں آئے تو انہیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی (اور وہ لوگ بیمار ہو گئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اگر تم صدقہ کے اونٹوں کی طرف نکلنا اور ان کا دودھ اور پیشاب پینا چاہتے ہو تو تم ایسا کر لو۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ

ان ابا حنیفة کره شرب ابوال الابل. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ اونٹوں کے پیشاب (پینے) کو مکروہ (تحریمی) سمجھتے ہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ ہر قسم کا پیشاب خواہ انسان کا ہو جانوروں کا اور جانوروں میں خواہ ان جانوروں کا گوشت استعمال کیا جاتا ہے یا نہیں نجس ہے اس کا استعمال ناجائز اور حرام ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینی الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ

قال ابو حنيفة والشافعي وابو يوسف ابو ثور و آخرون كثيرون: الابوال كلها نجس. (عمدۃ القاری جلد ۱، ص ۲۳۰، مکتبہ دار الکتب العلمیہ)

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام ابوثورؒ اور دیگر بہت سے حضرات فرماتے ہیں کہ تمام پیشاب (خواہ ماکول اللحم جانور ہو یا غیر ماکول اللحم) نجس ہیں۔

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: استنزهوا من البول فان عامة

عذاب القبر منه. (سنن دارقطنی، ج ۱، ص ۳۱۱، حدیث نمبر ۴۵۷، مکتبہ دار المعرفۃ بیروت)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیشاب سے بچو کیونکہ عام طور پر قبر میں عذاب اسی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

مر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقبرين جديدين فقال: انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير اما احدهما فكان لا يستنزه من بوله، واما الاخره فكان يمشي بالنميمة. (ابن ماجہ، ص ۲۹ حدیث نمبر ۳۴۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو نئی قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے، بلکہ ان میں ایک پیشاب (کی چھینٹوں) سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا غیبت (چغلی) کرتا تھا۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

فقال النبي صلى الله عليه وسلم عامة عذاب القبر من البول فتنزهوا من البول. (دارقطنی، جلد ۱، ص ۳۱۵، حدیث نمبر ۴۵۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عام طور پر قبر کا عذاب پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے تو تم لوگ پیشاب سے بچو۔

دلیل نمبر ۴:

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اتقوا البول فانه اول ما يحاسب به في القبر.

(الترغيب والترهيب جلد ۱، كتاب الطهارت باب الترهيب من اصابة البول الثوب وغيره وعدم الاستبراء منه)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب (کے چھینٹوں) سے بچو کیونکہ آدمی سے قبر میں سب سے پہلے اسی کے متعلق پوچھا جائے گا۔

دلیل نمبر۵:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه. (دارقطنی جلد اول، ص۳۱۱، حدیث نمبر۴۵۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پیشاب سے بچو، کیونکہ عام طور پر عذاب قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

ان روایات کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں مطلقاً پیشاب سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے **ماکول اللحم** اور **غیر ماکول اللحم** کی کوئی وضاحت نہیں۔ ان احادیث کے عموم اور اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ تمام جانوروں کا پیشاب خواہ **ماکول اللحم** ہوں یا **غیر ماکول اللحم** ہوں نجس وناپاک ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

پہلا جواب:

شرب بول کی اجازت ضرورت کی بناء پر تھا کہ وہ بیمار ہوگئے تھے اور وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں شفا کا علم ہو گیا تھا۔ مجبوری کی حالت عام حالت سے مستثنیٰ ہوتی ہے جیسے قرآن کریم میں حالت اضطرار کے وقت مردار کھانے کی اجازت ہے۔ چنانچہ علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں

بان ما فى حديث العرنين قد كان للضرورة فليس فيه دليل عنى انه يباح فى غير حال الضرورة (الى ان قال) انه عليه الصلاة والسلام عرف بطريق الوحى شفاهم والاستشفاء بالحرام جائز عند التيقن بحصول الشفاء كتناول الميتة فى المخمصة والخمر عند العطش. (عمدۃ القاری جلد۳، ص۲۳۰)

حدیث عرنین میں جو (شرب بول کا حکم) ہے وہ ضرورت کی وجہ سے ہے اس (حدیث) میں واضح دلیل نہیں ہے۔ (شرب بول) ضرورت کے علاوہ بھی مباح ہو (آگے مزید فرماتے ہیں) یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں شفا کا علم وحی کے ذریعے ہو گیا تھا۔ حرام سے شفاء حاصل کرنا جائز ہے جبکہ اس سے شفا کے حاصل ہونے کا کامل یقین ہو جیسے بھوک کی شدت کے وقت میتہ کو کھانا اور (شدت) پیاس کے وقت شراب کا پینا (یعنی اصل میتہ اور شرب خمر اضطرار کی حالت میں درست ہے ویسے جائز نہیں)

قارئین کرام! اس ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ امام صاحبؒ کا مذہب احادیث کے موافق ہے حدیث میں شرب بول کا حکم ضرورت علاج کی وجہ سے ہے اور امام ابوحنیفہؒ عام حالت میں اس کے نجس اور حرام ہونے کے قائل ہیں جیسا کہ احادیث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۴۵:

مکہ کی طرح مدینہ کے حرم ہونے کا مسئلہ

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے نو روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ

یہ ہیں

حضرت عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: انی احرم ما بين لابتی المدينة ان تقطع عضائها او يقتل صيدها وقال المدينة خير لهم لو كانوا يعلمون.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۹۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک میں مدینہ کے دونوں سنگریزوں کے درمیان کو حرام (حرم) قرار دیتا ہوں اس بات سے کہ اس کے درخت کاٹے جائیں یا اس کے شکار کو قتل کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے اگر لوگ اس کو جانتے۔

ان روایت کونقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: لیس علیه شئ (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس آدمی پر (ایسا کرنے میں) کوئی حرج (گناہ) نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں شکار کرنا درختوں کو کاٹنا یا شکار کو گرفتار کرنا حرام نہیں ہے۔امام ابوحنیفہؒ کا یہ موقف دلائل سے ثابت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبرا:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

انه کان یصید و یأتی النبی صلی الله علیه وسلم من صیده فأبطأ علیه ثم جاء ه فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم ما الذی حبسك؟ فقال یا رسول الله انتفی عنا الصید فصرنا نصید ما بین نبت والی قناة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما انك لو کنت تصید بالعقیق لشیعتك اذا ذهبت وتلقیتك اذا جئت فانی احب العقیق. (طحاوی جلد۲،ص۲۹۵،حدیث نمبر۶۱۹۵)

وہ شکار کرتے تھے اور شکار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے ایک مرتبہ انہوں نے آنے میں دیر کردی پھر وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کسی چیز نے روکے رکھا تو انہوں نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شکار ہم سے دور چلا گیا پس ہم شکار کرنے کے لیے مقام نبت اور مقام قناۃ کے درمیان گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم مقام عقیق میں شکار کرتے تو میں بھی تمہارے ساتھ تمہیں رخصت کرنے جاتا اور جب تم آتے تو میں تمہارا استقبال کرتا، بے شک مجھے وادی عقیق پسند ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم احد جبل یحبنا ونحبه فاذا جئتموه فکلوه من شجره و لو من عضاهه.

(المعجم الاوسط جلد۲، ص۲۵۵، حدیث نمبر۱۹۰۵، مکتبہ دارالحرمین)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم احد پہاڑ سے محبت کرتے ہیں جب تم اس کے پاس آؤ تو اس کے درخت کا پھل کھایا کرو اگرچہ وہ کانٹے دار (درخت) ہی ہو کہ کیوں نہ ہوں۔

دلیل نمبر۳:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قدم النبی صلی الله علیه وسلم فنزل اعلی المدینة فی حتی یقال لهم بنو عمرو بن عوف فاقام النبی صلی الله علیه وسلم فیهم اربع عشرة لیلة ارسل الی بنی النجار فی فجاؤوا متقلدی السیوف کانی انظر الی النبی صلی الله علیه وسلم علی را حلته و ابوبکر ردفه ملأ بنی النجار حوله حتی القی بفناء ابی ایوب و کان یحب ان یصلی حیث ادرکته الصلاة ویصلی فی مرابض الغنم وانه امر ببناء المسجد فارسل الی ملاء من بنی النجار فقال یا بنی النجار ثامنونی بحائطکم هذا قالوا لا والله لا نطلب ثمنه الا الی الله فقال انس فکان فیه ما اقول لکم قبور المشرکین وفیه خرب وفیه نخل فامر النبی صلی الله علیه وسلم بقبور المشرکین فنبشت ثم بالخرب فسویت و بالنخل فقطع. (بخاری جلد۱، ص۶۱، حدیث نمبر۴۲۸)

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو شہر کے بلند حصہ میں بنی عمرو کے ہاں اترے اور ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ راتیں قیام فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نجار کی طرف (انہیں بلانے) بھیجا تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) گویا میں دیکھ رہا تھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف وہ اپنی سواری پر بیٹھے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے اور بنونجار کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے (فوراً) نماز ادا کرلیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مسجد بنانے کا حکم فرمایا اور بھیجا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونجار کے لوگوں کی طرف (انہیں بلانے کے لیے اور انہیں بلوا کر) فرمایا اے بنونجار تم اپنے باغ کی قیمت مجھ سے لے لو تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم اس کی قیمت اللہ ہی سے طلب کرتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں مشرکین کی قبریں تھیں اور اس میں ایک ویران جگہ تھی اور کچھ کھجور کے درخت تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کے متعلق حکم فرمایا تو وہ اکھاڑ دی گئیں اور ویران جگہ کو برابر کر دیا گیا اور کھجور کے درختوں کٹوا دیا گیا۔

دلیل نمبر۴:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

كان رسول الله صلى الله وسلم يدخل علينا ولي أخ يقال صغير يكنى ابا عمير وكان له نغير يلعب به فمات فدخل عليه النبي صلى الله عليه وسلم ذات يوم فرآه حزيناً فقال ما شأنه؟ قالوا مات نغره فقال يا ابا عمير ما فعل النغير. (ابوداؤد جلد۲، ص۶۷۹، حدیث نمبر۴۹۶۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف آیا کرتے تھے اور میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کی کنیت ابوعمیر تھی اور اس کے پاس ایک چڑیا تھی وہ اس سے کھیلتا تھا بس (اچانک) وہ مرگئی ایک دن اچانک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو انہیں غمگین دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ اس کی چڑیا مرگئی ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور دل لگی کہ) فرمایا اے ابوعمر کیا ہوا نغیر (چڑیا) کو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مدینہ کے اندر پرندے پکڑ کر پالنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرندہ پکڑ کر پالنے پر جناب ابوعمیر رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جس سے اس عمل کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ کی حرمت مکہ کی حرمت کی طرح نہیں ہے کہ مدینہ میں شکار کرنا درختوں کو کاٹنا اور پرندوں کو قید کرنا حرام ہو۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ان روایات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درختوں کو کاٹنے یا شکار کرنے سے اس لیے منع نہیں فرمایا کہ مدینہ بھی مکہ کی طرح ہی حرم ہے بلکہ اس لئے منع فرمایا کہ یہ مدینے کی زینت اور خوبصورتی ہیں کہیں مدینے کی زینت ختم نہ ہو جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے قلعوں کو بھی محض اس لئے گرانے سے منع فرمایا دیا تھا کہ یہ مدینہ کی زینت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان رسول الله عليه وسلم قال لا تهدموا الاطام فانها زينة المدينة.

(طحاوی جلد۲،۲۹۴، حدیث نمبر ۶۱۸۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مدینہ) کے قلعوں کو نہ گراؤ بے شک وہ مدینہ کی زینت ہیں۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام طحاویؒ تر قیم فرماتے ہیں

افلا ترى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهاهم عن هدم آطام المدينة لانها زينة لها قالوا فكذلك ما نهاهم عنه من قطع شجرها وقتل صيدها انما هو لان ذلك زينة للمدينة فاراد ان يترك لهم فيها زينتها ليألفوها ويطيب لهم بذلك سكناها لا لانها تكون فى ذلك كمكة فى حرمت صيدها ونباتها. (طحاوی جلد۲،ص۲۹۴)

تم کیوں نہیں دیکھتے (غور کیوں نہیں کرتے) کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

کے قلعوں کو گرانے سے اس لیے منع فرمایا کہ وہ مدینہ کی زینت ہیں پس اسی طرح درخت کو کاٹنے اور شکار کرنے سے منع فرمایا اس لیے کہ وہ مدینہ کی زینت ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ مدینہ میں لوگوں کے لیے زینت (کی چیزیں) رہیں تاکہ وہاں کے لوگ الفت اور اُنس سے رہیں اس وجہ سے نہیں کہ اس کے درخت اور اس کا شکار حرمت میں مکہ کی طرح ہے۔

قارئین کرام! ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسئلہ حدیث کے موافق ہی ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے ان روایات کی مخالفت نہیں کی ہے۔

اعتراض نمبر ۵۵:

کتے کی بیع کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے چھ روایات نقل کی ہیں، ان میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن ثمن القلب والسنور.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۲۹۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے ان احادیث میں منع اس وقت کے لیے تھا جب کتوں کے متعلق احکام سخت تھے کیونکہ اس وقت لوگوں کے دلوں میں کتے کے لیے بڑی محبت تھی اور بغیر کسی ضرورت کے بطور شوق کے پالا کرتے تھے تو ان کے دلوں سے کتے کی محبت ختم کرنے کے لیے ابتداء اسلام میں کتوں کے متعلق سخت احکامات دیے گئے حتی کہ انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا پھر آہستہ آہستہ احکام میں نرمی آتی گئی آخر میں یہ حکم آ گیا کہ کسی

ضرورت کی وجہ سے یعنی شکار کے لیے زمین، مویشی اور کھیت کی حفاظت کے لیے کتے کو رکھنا جائز ہے لیکن شوقیہ رکھنا پھر بھی جائز نہیں ہے چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں

یکرہ اقتناء الکلب بغیر منفعة: فاما کلب الزرع او الضرع او الصید او الحرس فلا بأس به. (موطا امام محمد، ص۳۷۹)

بغیر کسی فائدہ کے کتے کو پالنا مکروہ (ناجائز) ہے۔ ہاں بکریوں یا کھیتوں کی حفاظت کے لیے اور شکار کرنے کے پالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام صاحب کا یہ موقف احادیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے مروی ہے

امر رسول الله علیه وسلم بقتل الکلاب ثم قال ما بالهم وبال الکلاب ثم رخص فی کلب الصید و کلب الغنم. (مسلم جلد۲، ص۲۰، حدیث نمبر۴۰۲۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے پہل) کتوں کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا پھر فرمایا کہ کتے ان کا کیا بگاڑتے ہیں پھر شکار کے لیے کتے اور بکریوں کی حفاظت کے لیے کتوں کو پالنے کی اجازت دے دی۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اقتنی کلبًا الا کلب ماشیة او ضاریا نقص من اجره کل یوم قیراطان. (مسلم جلد۲، ص۲۱، حدیث نمبر۴۰۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے کتا پالا سوائے مویشیوں کی حفاظت کے یا شکاری کتے کے تو اس کے ثواب سے ہر دن دو قیراط کم کیا جاتا ہے۔

دلیل نمبر۳:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من اقتنی کلبا الا کلب صید او ماشیة نقص من اجره کل یوم قیراطان.

(سنن نسائی جلد۲، ص۱۹۴، حدیث نمبر۴۲۹۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کتا پالا سوائے شکار یا حفاظتی کتے کے تو اس کے ثواب میں سے ہر دن دو قیراط ثواب کم ہوتا رہتا ہے۔

دلیل نمبر۴:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من امسك کلبًا فانه ینقص من عمله کل یوم قیراط الا کلب حرث او ما شیة. (مسلم جلد۲، ص۲۱، حدیث نمبر۴۰۳۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی کتا رکھا تو اس کے عمل سے ہر دن ایک قیراط کم ہوتا رہتا ہے سوائے کھیتی یا مویشی کے کتے کے۔

دلیل نمبر۵:

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سفیان بن ابی زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں

سمعت رسول الله علیه صلی الله علیه وسلم یقول من اقتنی کلبا لا یغنی عنه زرعا ولا ضرعًا نقص من عمله کل یوم قیراط.

(مسلم، جلد۲، ص۲۱، حدیث نمبر۴۰۳۶)

میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس آدمی نے کتا پالا جس سے اسے نہ کھیتی کی حفاظت کا فائدہ ہے اور نہ ہی شکار کا تو اس کے عمل سے ہر دن ایک قیراط کم ہوتا ہے۔

ان روایات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شکار کے لیے یا کھیت زمین اور

مویشیوں اور کسی دوسرے جائز منفعت کے لیے کتے کا پالنا رکھنا جائز ہے۔

اسی کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب کتے کو جائز ضروریات کی خاطر پالنا اور رکھنا جائز ہے تو اس کی خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ اگر بغیر کسی ضرورت کے کتے کو پالا تو اس کی قیمت سے منع کیا گیا ہے اسی طرح اگر جائز ضرورت کے لیے مثلاً شکار کے لیے یا حفاظت کے لیے کتے کو پالا تو اس کی قیمت بھی جائز ہوگی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ شکاری یا سدھائے ہوئے کتے کی قیمت کا جائز ہونا خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ان رسول الله علیه سلم نهی عن ثمن الکلب والسنور الا کلب صید.

(نسائی جلد۲ ص ۳۲۰، حدیث نمبر ۴۳۰۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت سے منع فرمایا مگر شکاری کتے کے (یعنی اس کی قیمت جائز ہے)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ

عن النبی صلی الله الله وسلم ثلاث کلهن سحت فذکر کسب الحجام ومهرا البغی وثمن الکلب ضاریا. (سنن الکبری بیہقی جلد۶ ص۱۰، حدیث نمبر ۱۱۰۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں بالکل حرام ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث میں) حجام کی مزدوری، زانیہ کی اجرت، کتے کی قیمت، شکاری کتے کے علاوہ (یعنی اسے منع نہیں فرمایا) کا ذکر فرمایا۔

مذکورہ دونوں حدیثون سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن روایات میں کتے کی خرید و فروخت اور اس کی قیمت سے منع کیا گیا انہی روایات میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کی قیمت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے آثار بھی شکاری کتے کی قیمت کے

جائز ہونے پر موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت عطاء بن رباحؒ سے مروی ہے کہ

عن ابی هريرة: نهى عن مهر البغي و عسب الفحل و عن ثمن السنور و عن الكلب الا كلب صيد.

(سنن الکبری بیہقی جلد ۱، حدیث نمبر ۱۱۰۱۶، دار قطنی جلد ۲، ص ۶۷۸، مکتبہ المعارفہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زانیہ کی اجرت، سانڈ دکھانے کی قیمت اور بلی اور کتے کی قیمت سے منع فرمایا سوائے شکاری کتے کی قیمت سے (کہ وہ حلال ہے)

(۲) عمران بن انس فرماتے ہیں

ان عثمان رضي الله عنه اغرم رجلا ثمن قلب قتله عشرين بعيرًا.

(بیہقی جلد ۶، ص ۱۱، مکتبہ دار الکتب العلمیہ، حدیث نمبر ۱۱۰۱۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کی (شکاری) کتا قتل کرنے کی وجہ سے ایک آدمی پر بیس اونٹ جرمانہ مقرر کیا۔

(۳) اسماعیل بن حساس روایت کرتے ہیں کہ

عبد الله بن عمرو قال: قضى في قلب الصيد بار بعين درهمًا (الى ان قال) حق على الذى اصابه ان يعطيه و حق على صاحب الدار يقبله.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۱۰۷)

عبداللہ ابن عمرو بن العاص نے شکاری کتے کو قتل کرنے کی صورت میں چالیس درہم ادا کرنے کا فیصلہ فرمایا (آگے مزید فرمایا) جس نے مارا ہے اس پر لازم ہے کہ (یہ قیمت) دے اور کتے کے مالک پر لازم ہے کہ وصول کرے

(۴) ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ

اذا قتل الكلب المعلم فانه يقوم قيمته فيغرمه الذى قتله.

(طحاوی جلد ۴، ص ۵۹، حدیث نمبر ۵۶۰۶، مکتبہ عالم الکتب)

جب شکاری کتے کو قتل کیا جائے تو اس کی قیمت لگا کر مارنے والے سے تاوان وصول کیا جائے۔

(۵) حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں

لا بأس بثمن كلب الصيد. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵ ص ۱۰۷)

شکاری کتے کی قیمت میں کوئی حرج نہیں۔

(۶) حضرت عطا ابن ابی رباح فرماتے ہیں

لا بأس بثمن كلب السلوقي

یعنی کتے کی قیمت وصول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۷) حضرت عطاء سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں

ان قتلت كلبا ليس بعقور فاعزم لاهله ثمنه. (ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۱۰۷)

اگر تو نے ہر کائے کتے کے علاوہ کسی دوسرے کتے کو قتل کیا تو اس کے مالک کو اس کی قیمت کا تاوان (جرمانہ) ادا کر۔

(۸) محمد بن یحییٰ بن حبان فرماتے ہیں۔

كان الناس يقضون في القلب باربعين درهما. (ابن ابی شیبہ جلد ۵، ص ۱۰۷)

لوگ (فقہاء کرام) کتے کے بارے میں (مارنے کی صورت میں) چالیس درہم کا فیصلہ کرتے تھے۔

ان آثار سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی ہے کہ- شکاری کتے کی خرید وفروخت اور اس کی قیمت وصول کرنا جائز ہے۔ اگر اس کی قیمت حرام ہوتی تو حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر تابعینؒ اس کی قیمت کے کا جائز ہونا نہ فرماتے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر فقہاء کرام شکاری کتے کے مارنے پر بطور تاوان کے اس کی قیمت مقرر نہ فرماتے۔

قارئین کرام! ان تمام اقتباسات سے یہ ثابت ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احادیث کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۵۶:

چوری کا نصاب جس کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹنا جائز ہے

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یقطع فی ربع دینار فصاعدًا.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوتھائی دینار (تین درہم) یا اس سے زیادہ میں چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفة قال: لا یقطع فی اقل من عشرة دراهم (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

جواب:

امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ احادیث اور اصول کے موافق ہے کیونکہ اس مسئلہ کی اصل اور بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے، نصاب سرقہ کی مالیت مقرر فرمائی ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی

حدیث نمبر ۱:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تقطع ید السارق فیما دون المجن. (سنن النسائی جلد ۲ ص ۲۵۸، حدیث نمبر ۴۹۳۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ ڈھال سے کم قیمت میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

حدیث نمبر ۲:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

لم تقطع يد سارق على عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم فی ادنی ثمن المجن ترس اور جحفة و کان کل واحد منهما ذا ثمن.

(بخاری جلد۲،ص۱۰۰۴،حدیث نمبر۶۷۹۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم پر نہیں کاٹا جاتا تھا چمڑے کی ڈھال لکڑی لگی ہوئی ہو یا چمڑے کی بغیر لکڑی کے ڈھال ہو یہ دونوں قیمتی تھی۔

ان دونوں روایات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ڈھال کی قیمت کے برابر اگر مال چرایا تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔اب رہی یہ بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں ڈھال کی قیمت کتنی تھی تو اس بارے میں احادیث مختلف ہیں کیونکہ مختلف اوقات میں ڈھال کی قیمت تبدیل ہوتی رہی ہے۔احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث نمبر ا:

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: قطع في مجن ثمنه ثلاثه دراهم.

(بخاری جلد۲،ص۱۰۰۴،حدیث نمبر۶۷۹۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال (کی چوری) میں ہاتھ کاٹا اس کی قیمت تین درہم تھی۔

حدیث نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

قطع رسول الله صلی الله علیه وسلم في مجن قیمته خمسه دراهم.

(سنن النسائی جلد۲ تا ۲۵۷،حدیث ۴۹۱۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال (کے بدلے) میں ہاتھ کاٹا جس کی قیمت پانچ درھم تھی۔

حدیث نمبر۳:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: یقطع ید السارق فی ثمن المجن و ثمن المجن ربع دینار. (سنن النسائی جلد۲، ۲۵۸، حدیث نمبر ۴۹۳۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت میں کاٹا جائے گا اور ڈھال کی قیمت چوتھائی دینار ہے۔

حدیث نمبر ۴:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

انہا سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: لا تقطع ید السارق الا فی ربع دینار فصاعدًا. (سنن النسائی جلد۲ ص ۲۵۸، حدیث نمبر ۴۹۴۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پھر نہ کاٹا جائے مگر چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ میں۔

حدیث نمبر ۵:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال: لا تقطع الید إلا فی المجن او ثمنه وزعم ان عروة قال المجن اربعة دراهم.

(سنن نسائی، جلد ص ۲۵۸، حدیث نمبر ۴۹۴۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ ڈھال کی چوری یا اس کی قیمت کے برابر (چوری) میں ہاتھ کاٹا جائے گا عروہ فرماتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت چار درھم ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۶:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أن رجلاً سرق مجنا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقوم خمسة دراهم فقطعه.

(سنن دار قطنی جلد۳، ص ۱۱۳، حدیث نمبر ۳۲۷۱، مکتبہ دار المعرفۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک آدمی نے ایک ڈھال چوری کی اس کی قیمت پانچ درہم تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔

حدیث نمبر ۷:

حضرت ایمن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لم تكن تقطع اليد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم الا في ثمن المجن و قيمته يومئذ دينار. (سنن النسائی جلد ۲، ص ۲۵۹، حدیث نمبر ۴۹۴۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور اس وقت تھا اس (ڈھال) کی قیمت ایک دینار تھی۔

حدیث نمبر ۸:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قطع ابو بكر رضى الله عنه في مجن قيمته خمسة دراهم.

(سنن النسائی جلد ۲، ص ۲۵۷، حدیث نمبر ۴۹۱۶)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ڈھال (چرانے) پر ہاتھ کاٹا جس کی قیمت پانچ درہم تھی۔

حدیث نمبر ۹:

حضرت ایمن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

يقطع السابق في ثمن المجن و كان ثمن المجن على عهد رسول الله صلى الله وسلم دينارا او عشرة دراهم.

(سنن النسائی جلد ۲ ص ۲۵۹، حدیث نمبر ۴۹۵۰)

چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت میں کاٹا جائے گا اور ڈھال کی قیمت رسول اکرم صلی اللہ وسلم کے زمانے میں ایک دینار یا دس درھم تھی۔

حدیث نمبر ۱۰:

حضرت عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

کان ثمن المجن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یقوم عشرة دراهم. (سنن النسائی جلد ۲ ص ۲۵۹، حدیث نمبر ۴۹۵۴)

رسول اکرم صلی اللہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کی قیمت دس درہم لگائی جاتی تھی۔

ان مختلف روایات سے معلوم ہوا کہ ڈھال کی قیمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مختلف اوقات میں تبدیل ہوتی رہی ہے ابتدا میں ڈھال کی قیمت ربع دینار (تین درہم) تھی پھر ڈھال کی قیمت پانچ درہم ہوگئی اور آخر میں ڈھال کی قیمت بڑھ کر دس درہم ہوگئی چونکہ ڈھال کی قیمت بڑھ کر دس درہم ہوگئی تھی اس وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا چوری کے نصاب میں درس درہم والی روایت کو اختیار اس وجہ سے کیا ہے۔ چونکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کی قیمت جو چوری کا نصاب ہے بڑھتے بڑھتے دس درہم ہو گئی تھی اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کے دلائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کان ثمن المجن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم عشرة دراهم. (سنن دارقطنی جلد ۳، ص ۱۱۳، حدیث نمبر ۳۳۷۲، مکتبہ دار المعرفۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ڈھال کی قیمت دس درہم ہوتی تھی۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

لا يقطع السارق فی دون المجن و ثمن المجن عشرة دراهم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶،ص ۴۶۵،حدیث نمبر ۲۸۶۸۶)

ڈھال سے کم قیمت کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے

ثمن المجن عشرة دراهم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶ص ۴۶۵،حدیث نمبر ۲۸۶۸۷)

ڈھال کی قیمت دس درہم ہے۔

دلیل نمبر ۴:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

لا يقطع الا فی دينار او عشرة دراهم۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۶،ص ۴۶۶، حدیث نمبر ۲۸۶۸۸)

ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا مگر ایک دینار یا دس درہم کے عوض۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت ابو جعفر سے مروی ہے

قيمة المجن دينار الذی تقطع فيه اليد۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶،ص ۴۶۶،حدیث نمبر ۲۸۶۸۹)

ڈھال کی قیمت ایک دینار ہے جس کے بدلے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

دلیل نمبر ۶:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

لا تقطع يد السارق فی اقل من عشرة دراهم۔

(کتاب الآثار جلد ۲،ص ۵۴۱،حدیث نمبر ۶۲۵،مکتبہ دار النوادر)

چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جائے گا۔

دلیل نمبر ۷:

حضرت قاسم بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں

اُتی عمر بسارق فامر یقطعه فقال عثمان ان سرقته لا تساوی عشرة دراهم قال: فامر به عمر فقومت ثمانیه دراهم فلم یقطعه.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۶، ص ۴۶۶، حدیث نمبر ۲۸۶۹۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک چور لایا گیا آپؓ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اس کی چوری کردہ چیز کی قیمت دس درہم کے برابر نہیں ہے تو اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے حکم دیا تو اس کی قیمت آٹھ درہم لگائی گئی پس آپ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ نہ کاٹا۔

دلیل نمبر ۸:

حضرت عمرو بن شعیب فرماتے ہیں

دخلت علی سعید بن مسیب فقلت له: ان اصحابك عروة بن زبیر و محمد بن مسلم الزهری و ابن یسار یقولون ثمن المجن خمسة دراهم فقال هذا فقد مضت فیه سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم عشرة دراهم. (مصنف ابن شیبہ جلد ۶، ۴۶۶، حدیث نمبر ۲۸۶۹۵)

میں سعید ابن میسبؒ کے پاس حاضر ہوا اور میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ساتھی عروہ بن زبیر محمد بن مسلم زھری، اور ابن یسار یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ ڈھال کی قیمت پانچ درھم ہے اس پر آپؒ نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت گزر چکی ہے (وہ) دس درہم ہے۔

دلیل نمبر ۹:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

لا يقطع الكف في اقل من دينار او عشره درهم۔

(مصنف عبدالرزاق جلد ۸ ص ۳۱۱، حدیث نمبر ۲۰۰۰۴، مکتبہ دارالتاصید)

ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ڈھال کی قیمت آخر میں دس درہم ہوگئی تھی اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے سرقہ کا نصاب دس درہم کو قرار دیا ہے جو احادیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مسئلے کے مخالف نہیں ہے کیونکہ چوری کا نصاب ایک ڈھال یا اس کی قیمت ہے جو ابتداء میں چوتھائی دینار (تین درہم) تھی جو بعد میں پانچ درہم کے برابر ہوگئی۔ اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی دینار یا پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا تھا جس کا ذکر ان روایات میں مذکور ہے۔ لیکن آخر میں ڈھال کی قیمت دس درہم ہوگئی تھی جیسا کہ دلائل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اس وجہ سے امام صاحب نے سرقہ کے نصاب میں دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے عمل کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۵۷:

نیند سے اٹھ کر ہاتھوں کو دھونے کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے چار روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا قام احدكم من الليل فلا يغمس يده في الاناء حتى يغسلها ثلاث مرات فانه لا يدري اين باتت يده.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۹۳)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک نیند سے بیدار ہو تو وہ

اپنے ہاتھوں کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ وہ اس کو دھو لے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفة قال لا بأس به (ایضًا)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں (یعنی بغیر دھوئے برتن میں ہاتھ ڈال سکتا ہے)

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ نے احادیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس مسئلہ میں میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ اس حکم کی اصل علت نجاست ہے اگر نجاست ہاتھوں پر لگی ہو تو قبل الغسل پانی میں ہاتھ ڈالنا درست نہیں ہے ہاں اگر ہاتھوں پر نجاست نہ لگی ہو تو قبل الغسل پانی میں ہاتھ ڈالنا حرام نہیں ہے۔ پھر بھی امام صاحب کے نزدیک اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ہاتھوں پر نجاست لگنے کا یقین ہو تو غسل الیدین (ہاتھوں کا دھونا) فرض ہے اور ظن غالب ہو تو واجب ہے اور اگر نجاست کے لگنے کا شک ہو تو مسنون ہے اور اگر شک بھی نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک غسل الیدین مستحب پھر بھی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

فقہی اصول کے مطابق تو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بالکل درست ہے کہ مذکورہ احادیث مطلق نہیں بلکہ نجاست کی علت موجود ہے جہاں علت پائی جائے گی وہاں قبل الغسل پانی میں ہاتھ ڈالنا درست نہ ہوگا اور جہاں علت موجود نہ ہوگی وہاں قبل الغسل پانی میں ہاتھ ڈالنا درست ہوگا۔ ہم امام صاحب کے مذہب کے دلائل نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر ۱:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

انه ادخل یده فی المطهرة قبل ان یغسلها۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱، ص ۱۲۲، حدیث نمبر ۱۰۶۵)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ وضوء کے برتن میں دھونے سے پہلے داخل کیا۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

انه کان یدخل یده فی الاناء اذا خرج من المخرج قبل ان یغسلها.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا، ص ۱۲۲، حدیث نمبر ۱۰۵۹)

کہ آپ رضی اللہ عنہ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد اپنا ہاتھ دھونے سے پہلے برتن میں داخل کرتے۔

دلیل نمبر۳:

حضرت محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے

کان یخرج من الخلاء ثم یضع یده فی الاناء قبل ان یغسلها.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا، ص ۱۲۲ حدیث نمبر ۱۰۶۰)

دلیل نمبر۴:

حضرت عیسیٰ بن مغیرہ الخزامیؒ فرماتے ہیں

سألت سعید بن جبیر عن الرجل یغمس یده فی الاناء قبل ان یغلسها فقال لا بأس. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا، ص ۱۲۲، حدیث نمبر ۱۰۶۲)

میں حضرت سعید بن جبیرؒ سے پوچھا کہ کیا کوئی آدمی (بیت الخلاء سے نکل کر) اپنا ہاتھ دھوئے بغیر کسی برتن میں ڈال سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اگر ہاتھ میں نجاست نہ لگی ہو تو قبل الغسل ہاتھ کو برتن میں ڈالنا جائز ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مخالف نہیں اور نہ ہی امام صاحبؒ نے ان

احادیث کی مخالفت کی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان روایات میں جو قبل الغسل برتن میں ہاتھ داخل کرنے سے منع کیا گیا ہے وہ حکم عام نہیں ہے بلکہ ایک خاص علت کی وجہ سے ہے اور وہ علت نجاست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روایات میں قبل الغسل ہاتھ برتن میں داخل کرنے سے اس لیے منع فرمایا کہ کہیں نجاست ہاتھ میں نہ لگی ہو جس کی وجہ سے برتن میں موجود پانی بھی ناپاک ہو جائے گا جیسا کہ روایات میں "فانہ لا یدری این باتت یدہ" کے الفاظ موجود ہیں جو شک پر دلالت کرتے ہیں کہ اس بات میں شک ہے کہ رات ہاتھ میں نجاست نہ لگ گئی ہو اس وجہ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل الغسل ہاتھ برتن میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں

ان اهل الحجاز كانوا يستنجون بالاحجار و بلا درهم حارة فاذا نام احدهم عرق فلا يأمن من النائم ان تطوف يده على ذلك الموضع النجس.

(شرح مسلم جلد ا، ص ۱۱۶)

بے شک حجاز کے لوگ پتھروں سے، استنجاء کرتے تھے اور ان کا علاقہ گرم (بھی) تھا (ممکن ہے کہ) جب ان میں سے کوئی پسینہ کی حالت میں سوئے تو ان کا ہاتھ (نیند کی حالت میں) نجاست کی جگہ پر لگنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

اور اسی طرح اس روایت کے متعلق امام طحاوی رقم فرماتے ہیں:

لانهم كانوا يتغوطون (اى يقضون حاجتهم) ولا يستنجون بالماء فامرهم بذلك اذا قاموا من نومهم لانهم لا يدرون اين باتت ايديهم من ابدانهم وقد يجوز ان يكون كانت فى موضع قد مسحوه من البول او الغائط فيعرقون فتنجس بذلك ايديهم فامرهم النبى صلى الله عليه وسلم بغسلها ثلاثا. (طحاوی جلد ا، ص ۲۰ حدیث نمبر ۶۵)

کیونکہ وہ لوگ (اہلِ حجاز) بول و براز کے بعد پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوں چونکہ وہ نہیں جانتے کہ ان کے ہاتھ ان کے بدن میں کہاں لگے ہیں۔ ممکن ہیں کہ ان کے ہاتھ پیشاب اور قضاء حاجت

پونچھنے کی جگہ لگے ہوں پس پینے کی وجہ سے ان کے ہاتھ ناپاک ہو جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم فرمایا۔

قارئین کرام! ان کا حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ قبل الغسل ہاتھ برتن میں نہ ڈالنے کا حکم نجاست کی وجہ سے نہ کہ عام حکم جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب حدیث کے مخالف نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۵۸:

کتے کے جھوٹے برتن کو دھونے کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں۔ جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ لم یقول: اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبع مرات. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۲۹۷)

میں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ مار دے تو اس کو سات مرتبہ دھونا چاہیے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: یجزئہ ان یغسل مرة. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس برتن کو ایک مرتبہ ہی دھونا کافی ہوگا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف ایک مرتبہ دھونے کا نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا صحیح موقف یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ مار دے تو اس کو تین مرتبہ دھویا جائے تین مرتبہ دھونے سے برتن پاک ہو جائے گا۔

چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

سور الکلب نجس یغسل الاناء من ولوغه ثلثًا. (ہدایہ جلد ۱، ص ۴۳)

کتے کا جھوٹا ناپاک ہے اس کے برتن میں منہ ڈالنے (کی وجہ) سے تین مرتبہ دھویا جائے گا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کا یہ موقف احادیث کے موافق ہے

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیهرقه و لیغسله ثلاث مرات. (نصب الرایہ جلد ۱، ص ۱۳۱، مکتبہ مؤسسۃ الریان)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کتا تم میں کسی ایک کے برتن میں منہ ڈال دے پس چاہیے کہ اس (میں موجود پانی) کو بہادے اور اس کو تین مرتبہ دھوئے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت امام زہریؒ سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیهرقه و یغسله ثلاث مرات. (الکامل ابن عدی جلد ۴، ص ۳۱، مکتبۃ الرشید)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ ڈالے تو وہ اس (میں موجود پانی) کو بہادے اور برتن کو تین مرتبہ دھوئے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

عن النبی صلی الله علیه وسلم فی الکلب یلغ فی الاناء انه یغسله ثلاثًا او خمسًا او سبعًا. (سنن دارقطنی جلد ۱، ص ۱۷۷، حدیث نمبر ۱۸۹، مکتبہ دارالمعرفۃ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جب کوئی کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو آدمی اسے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ دھولے۔

دلیل نمبر۴:

حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

انه كان اذا ولغ الكلب فى الاناء اهراقة وغسله ثلاث مرات.

(دار قطنی، جلد ۱، ص ۱۷۹، حدیث نمبر ۱۹۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو آدمی اس (میں موجود پانی) کو بہا دے اور اس برتن کو تین مرتبہ دھولے۔

دلیل نمبر۵:

حضرت عطاء ابن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:

عن ابى هريرة فى الاناء يلغ فيه الكلب او الهر قال يغسل ثلث مرار.

(طحاوی جلد ۱، ص ۲۱، حدیث نمبر ۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس برتن کے بارے میں جس میں کتا یا بلی منہ ڈال دے فرمایا اسے تین مرتبہ دھویا جائے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ان روایات کے مختلف جوابات ہیں۔

جواب نمبر۱:

سات مرتبہ دھونے کا حکم ابتدائی دور کا تھا کیونکہ اس وقت لوگ کتوں سے بہت مانوس تھے اس لیے ان میں نفرت پیدا کرنے کے لیے سختی کی بلکہ سختی کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتل الكلاب ثم قال ما بالهم وبال الكلاب ثم رخص فى كلب الصيد وكلب الغنم.

(مسلم جلد ۲، ص ۲۰، حدیث نمبر ۴۰۲۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے پہل) کتوں کو قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا پھر فرمایا کتے سے انہیں کیا (یعنی ان کا کیا بگاڑتے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے اور بکریوں کی حفاظت کے لیے حفاظتی کتے (پالنے) کی اجازت دے دی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ کتوں کے معاملے میں ابتداءً سختی تھی اسی سختی کا نتیجہ تھا کہ اگر کتا برتن میں بھی منہ ڈال دے تو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا۔

جواب نمبر۲:

کتے کے لعاب کو بول و براز پر قیاس کیا ہے کہ بول و براز جب ہاتھ کو لگ جائے تو تین مرتبہ دھونے سے بالاتفاق پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں بھی موجود ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده.

(مسلم جلد۱، ص۱۳۶، حدیث نمبر۶۴۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنے ہاتھ کو (کسی) برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ وہ اس کو تین مرتبہ دھو لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ہاتھ میں کوئی نجاست یعنی بول و براز لگ جائے تو وہ ہاتھ تین مرتبہ دھو لینے سے پاک ہو جائے گا۔ حالانکہ بول و براز نجاست غلیظہ میں سے ہے جبکہ کتے کا لعاب نجاست غلیظہ میں سے نہیں تو جب کتا برتن میں منہ مار دے تو وہ تین مرتبہ دھونے سے بطریقِ اولیٰ پاک ہو جائے گا۔ چنانچہ امام طحاوی اس حدیث کے تحت رقم فرماتے ہیں

وکان ذلك طهارتها من الغائط او البول ان کان اصابها فلما کان ذلك یطهر من البول والغائط و هما اغلظ النجاسات کان احری ان یطهر بما هو دون ذلك من النجاسات. (طحاوی جلد۱، ص۲۰، حدیث نمبر۶۵)

بول (پیشاب) براز (پائخانہ) جب وہ ہاتھ کو لگ جائے تو اس کی طہارت اس طرح ہے پس جب بول و براز سے (ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے) پاک ہوجاتا ہے حالانکہ یہ دونوں نجاست غلیظہ ہیں تو یہ بات زیادہ لائق ہے کہ جو نجاست ہونے میں اس سے کم درجہ میں ہو وہ (پانی کے دھونے سے) پاک ہوجائے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

فقد بينا ان اغلظ النجاسات يطهر منها غسل الاناء ثلاث مرات فما دونها احرى ان يطهره ذلك ايضاً. (طحاوی جلد۱، ص۲۱ حدیث نمبر ۶۷)

تحقیق ہم نے بیان کردیا کہ غلیظ ترین نجاستوں سے برتن تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے تو وہ نجاست جو ان سے کم ہو وہ زیادہ لائق ہے کہ پانی اس کو پاک کردے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونے سے بھی وہ برتن پاک ہوجائے گا۔

جواب نمبر۳:

ابن ابی شیبہ نے جو روایات نقل کی ہیں وہ منسوخ ہیں کیونکہ یہ روایات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ تین مرتبہ دھونے کا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ سات مرتبہ دھونے والا حکم منسوخ ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ صحابی رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی مروی روایت کے خلاف فتویٰ دیں۔

چنانچہ امام طحاویؒ تحریر فرماتے ہیں

فلما كان ابو هريرة قد رأى ان الثلاثة يطهر الاناء من ولوغ الكلب فيه وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم ما ذكرنا ثبت بذلك نسخ السبع لانا نحسن الظن به فلا نتوهم عليه انه يترك ما سمعه من النبى صلى الله عليه وسلم الا الى مثله والا سقطت عدالته فلم يقبل قوله ولا روايته.

(طحاوی جلد۱، ص۲۱، حدیث نمبر ۶۵)

جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے (فتویٰ) یہ ہے کہ جب کتا پانی میں منہ ڈال دے تو وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اور (دوسری طرف) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ حدیث روایت کی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں (یعنی برتن کو سات مرتبہ دھویا جائے) تو اس (تین مرتبہ دھونے کے فتوے) سے ثابت ہوا کہ سات مرتبہ کا دھونا منسوخ ہو چکا ہے (دلیل اس کی یہ ہے کہ) ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں اور یہ وہم بھی نہیں کر سکتے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو چھوڑ دیا ہو جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (از خود) سنا ہے سوائے اس کے جو ہم نے بیان کیا ہے وگرنہ ان کی عدالت ساقط ہو جائے گی اور ان کا قول اور ان کی روایت قبول نہ کی جائے گی۔

قارئین کرام! ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسئلہ حدیث کے موافق ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے کسی حدیث کی مخالفت نہیں کی۔

اعتراض نمبر ۵۹:

تر کھجور کو خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے چار روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت زید ابو عیاشؒ فرماتے ہیں۔

سألت سعداً عن السلت با لذرة فكرهه وقال سعد: سئل النبى صلى الله عليه وسلم عن الرطب با التمر فقال: اينقص اذا جف قلنا: نعم قال فنهى عنه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۴)

میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے آٹے کے بدلے جو کی بیع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے ناپسند کیا اور حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خشک کھجوروں کو تازہ کھجوروں کے بدلے بیچنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اسے (ایسا کرنے سے) منع فرمادیا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفته وا با یوسف قالا: لا بأس به. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ دونوں فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں (یعنی تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض بیچ سکتے ہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ خشک کھجور اور تر کھجور ایک ہی جنس ہے جب دونوں ایک ہی جنس ہے تو ان دونوں کی نقد اور برابری کی شرط کے ساتھ بیع جائز ہے اور احادیث میں اس کی صراحت مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

عن النبی صلی الله علیه سلم قال: البر بالبر ربا الا هاء وهاء والشعیر بالشعیر ربا الا هاء وهاء والتمر بالتمر ربا الا هاء وهاء.

(بخاری، جلد۱،ص۲۹۰، حدیث نمبر۲۱۷۰)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گندم کو گندم کے بدلے بیچنا سود ہے مگر (سودا) ہاتھوں ہاتھ ہو اور جَو کو جَو کے بدلے بیچنا سود ہے مگر سودا ہاتھوں ہاتھ ہو اور کھجور کو کھجور کے بدلے بیچنا سود ہے مگر سودا نقد ہو۔

دلیل نمبر۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم التمر بالتمر والحنطة بالحنطة والشعیر بالشعیر والملح بالملح مثلا بمثل یدًا بید فمن زاد او استزاد فقد

اربی الا ما اختلف الوانه. (مسلم جلد۲ ص ۲۵ حدیث نمبر ۴۰۶۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھجور (کی بیع) کھجور کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، نمک نمک کے بدلے ہاتھوں ہاتھ (نقداً) برابری کے ساتھ فروخت کرو (یعنی کمی بیشی نہ ہو) پس جو شخص زیادتی کرے یا زیادہ کو طلب کرے تو اس نے سودی معاملہ کیا مگر یہ کہ ان کی جنس تبدیل ہو جائے (یعنی مختلف اجناس کی بیع کی زیادتی کے ساتھ فروخت کر سکتے ہیں)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تازہ کھجوروں کی بیع خشک کھجور کے ساتھ کر سکتے۔

اعتراض:

کوئی شخص یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ تازہ کھجوروں کو عربی میں رطب کہتے ہیں جبکہ ان روایات میں "التمر بالتمر" کے الفاظ ہیں؟

جواب:

تازہ کھجوروں کو جیسے رطب کہتے ہیں ویسے ہی تمر بھی کہتے ہیں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تازہ کھجوروں کے لیے تمر کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اس بات کا پر دال ہے کہ رطب پر تمر کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیبر کی جنیب نامی کھجور لائی گئیں تو

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اکل تمر خیبر هکذا.

(نسائی جلد۲، ص ۲۱۹، حدیث نمبر ۴۵۵۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح ہوتی ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ رطب پر تمر کا اطلاق درست ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

پہلی روایت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس روایت میں جو مذکورہ نہی ہے وہ ادھار فروخت کرنے کی حالت میں ہے یعنی خشک کھجوروں کی بیع تازہ

کھجور کے ساتھ نقداً تو جائز ہے لیکن ادھار جائز نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اسی روایت کے دوسرے طرق میں اس بات کی صراحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہی ادھار بیچنے سے کی تھی چنانچہ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: نهی عن بیع الرطب بالتمر نسیئة.

(طحاوی جلد۲،ص ۱۸۶، حدیث نمبر ۵۳۶۸، ابو داؤد جلد۲،ص ۴۷۷، حدیث نمبر ۳۳۶۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تر کھجور کی بیع خشک کھجور کے بدلے ادھار کی صورت میں منع فرمایا ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام طحاویؒ فرماتے ہیں

فکان هذا اصل الحدیث فیه ذکر النسیئة. (طحاوی جلد ا،ص ۱۸۶)

پس اصل روایت میں نسیئہ (ادھار) کا ذکر موجود ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا ہے کہ اس روایت میں ممانعت ادھار کی صورت میں ہے جس کے امام ابو حنیفہؒ بھی قائل ہیں۔

دوسری اور تیسری روایات کا جواب:

ان روایات میں جو نہی مذکور ہے وہ بیع مزابنہ کے متعلق ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مکمل روایت صحیح مسلم میں موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم: نهی عن المزابنة والمزابنة بیع التمر بالتمر کیلاً وبیع الکرم بالزبیب کیلا.

(مسلم جلد۲،ص ۹،حدیث نمبر ۳۸۹۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو کٹی ہوئی کھجوروں کے ساتھ وزن کر کے اور کشمش کو (درخت پر لگے) انگوروں

کے ساتھ وزن کے کر کے بیچنا۔

بیع مزابنہ سے منع کی وجہ یہ ہے کہ اس میں کمی زیادتی کا قوی احتمال ہے ممکن ہے کہ پھل درخت پر ہی خراب ہو جائے یا پھل اس سال کم واقع ہو۔ جبکہ مذکورہ مسئلہ میں کھجوروں کی مقدار دونوں طرف سے برابر ہے اس لیے بیع مزابنہ کا حکم اس مسئلہ میں جاری نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ احادیث کے مخالف نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ نے احادیث پر ہی عمل کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۶۰:

تجارتی قافلے سے شہر کے باہر ہی مال خریدنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں جن میں سے تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

نهى النبى صلى الله عليه وسلم عن التلقى.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقی (تجارتی قافلے کا شہر میں آنے سے پہلی ہی ان سے مال خریدنا) سے منع فرمایا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنيفة قال: لا بأس به. (ايضًا)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف احادیث کے موافق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

کنا نتلقی الرکبان فنشتری منھم الطعام، فنھانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان نبیعہ حتی یبلغ بہ سوق الطعام. (بخاری، جلد ا، ص ۲۸۹، حدیث نمبر ۲۱۶۶)

ہم تجارتی قافلوں سے شہر سے باہر جاکر ان سے غلہ (اناج) خرید لیتے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ ہم غلہ بازار میں آنے سے پہلے فروخت کریں۔

اس حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ صحابہ کرامؓ قافلے والوں سے شہر میں آنے سے پہلے ہی اناج خرید لیتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات سے تو منع فرمایا کہ اناج کو بازار تک پہنچنے سے پہلے فروخت نہ کیا جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ قافلے والے اپنا سامان بازار پہنچنے سے پہلے نہیں اتارتے بلکہ بازار پہنچ کر ہی اتارتے ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ سلم نے بازار پہنچنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ اناج اور غلہ ابھی قبضہ میں نہیں آئی ہے اگر بازار پہنچنے سے پہلے فروخت کیا تو یہ بیع قبل القبض ہوگی خریدی ہوئی چیز قبضے سے پہلے فروخت کرنا جو شریعت میں ممنوع ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے باہر قافلے والوں سے خریداری کرنے کو جائز رکھا ممنوع قرار نہیں دیا۔

دلیل نمبر۲:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تلقوا الجلب فمن تلقاہ فاشتری منہ فاذا اتی سیدہ السوق فھو بالخیار.

(مسلم جلد۲، ص۴، حدیث نمبر ۳۸۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تجارتی) قافلے سے (شہر سے) آگے جاکر (یعنی شہر سے باہر جاکر) نہ ملو بس جس شخص نے (شہر سے باہر) آگے جاکر ملاقات کی اور اس سے (مال) خریدا تو جب مالک بازار آیا (اور اسے معلوم ہوا کہ اس کا مال بازار سے کم قیمت پر خریدا گیا ہے تو) اسے (بیع فسخ کرنے کا) اختیار ہوگا۔

اس روایت سے بھی صاف معلوم ہوا کہ تجارتی قافلے سے شہر سے باہر جا کر اناج خریدنا درست ہے کیونکہ اس روایت میں ہے کہ جب بائع منڈی (بازار) پہنچ جائے تو اسے اختیار ہوگا جبکہ خیار تو ہوتا ہی ایسی خرید وفروخت میں ہے جو درست اور صحیح ہو۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک حدیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا بھی ان روایات پر عمل ہے۔ ان روایات کے متعلق امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم نقصان کی علت پر مبنی ہے کہ ایسا کرنے سے اگر قافلے والے کو یا شہر والوں کو نقصان ہو تو پھر شہر سے باہر جا کر قافلے والے سے سودا خریدنا منع ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی موقف ہے۔

قافلے والوں کے نقصان سے مراد یہ ہے ممکن ہے کہ قافلے والوں کو بازار کی صحیح قیمت معلوم نہ ہو اور یہ شہر سے باہر آ کر قافلے والوں سے خریدنے والا آدمی بھی بازار کی صحیح قیمت نہ بتائے اور بازار سے کم قیمت پر ان سے مال خرید لے اور شہر والوں کے نقصان سے مراد یہ ہے کہ کم قیمت پر قافلے والوں سے مال خرید کر شہر آ کر اپنی مرضی کی قیمت پر مال فروخت کرے تو جب یہ دونوں صورتوں میں سے نقصان کی کوئی بھی صورت موجود ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی شہر سے باہر جا کر قافلے والوں سے خریداری کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ احادیث میں موجود ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک اس بیع کا جائز ہونا اس وقت ہے جب نقصان کی کوئی بھی علت موجود نہ ہو اور اصول بھی یہی ہے کہ جس جگہ علت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر سے باہر جا کر قافلے والوں سے خریداری کرنے کو روا رکھا۔

اعتراض نمبر ۱۶:

کوئی حالت احرام میں مر جائے تو اس کا سر ڈھانپنا چاہیے کہ نہیں

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے دو روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان رجلاً کان مع النبی صلی الله علیه وسلم و هو محرم فوقصته ناقته فمات فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اغسلوه بماء وسدر و کفنوه فی ثوبیه ولا تختمروا رأسه فان الله یبعثه یوم القیامة ملبیًا.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۵)

ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ احرام میں تھا اس کی اونٹنی نے اسے گرا دیا اور وہ مر گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو اور اسے اس کے ہی دو کپڑوں میں کفن دے دو اور اس کا سر نہ ڈھانپو اس لیے کہ قیامت کے روز اسے اللہ تعالیٰ اس حال میں اٹھائیں گے کہ یہ تلبیہ پڑھ رہا ہوگا۔

ان روایتوں کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: یغطی رأسه (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا سر ڈھانپ دیا جائے گا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام صاحبؒ کا موقف یہ ہے کہ محرم کے لیے سر نہ ڈھانپنے کا حکم حالت احرام میں ہے اور موت کے بعد اس کا احرام باقی نہیں رہتا تو احرام کی تمام پابندیاں بھی اس پر عائد نہ ہوں گی لہٰذا جب کوئی حالتِ احرام میں انتقال کر جائے تو اس کا سر ڈھانپا جائے گا۔

چنانچہ امام محمدؒ اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل فرماتے ہیں:

اذا مات فقد ذهب الاحرام عنه. (موطا امام محمد، ص ۲۳۷)

جب (کوئی) حالتِ احرام میں مرجائے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوا له. (مسلم، جلد۲ص۴۱، حدیث نمبر۴۲۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع (ختم) ہو جاتے ہیں سوائے تین (عمل) کے صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے اور یا نیک اولاد جو اس کے لیئے دعا کرتی ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کے انسان کے مرنے کے بعد مذکورہ تین اعمال کے علاوہ اس کے تمام اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے حالتِ احرام میں مرنے کے بعد سر کھلا رکھنے کی پابندی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خمروا وجوه موتاكم ولا تشتبهوا بيهود. (دارقطنی، جلد۳، ص۳۶۹، حدیث نمبر۲۷۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں کے چہروں کو ڈھانپ دیا کرو اور یہود کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

اس روایت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم بیان فرمایا ہے لہٰذا یہ حکم ہر قسم کی میت کو شامل ہوگا خواہ حالت احرام میں ہو یا بغیر احرام کے۔

دلیل نمبر۳:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

عن النبی صلی اللہ وسلم فی المحرم یموت قال خمروھم ولا تشبھوا بالیھود. (دار قطنی، جلد۳، ص۳۶۸، حدیث نمبر۲۷۳۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ احرام میں فوت ہو جانے والے کے متعلق فرمایا کہ تم اسے ڈھانپ دو اور یہودیوں کی مشابہت نہ کرو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ میت اگر حالتِ احرام میں ہو تو بھی اس کے سر کو ڈھانپ دینا چاہیے اور اس روایت سے دلیل نمبر۲ میں مذکور روایت کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مردوں کے چہرے کو ڈھانپنے کا حکم فرمایا ہے وہ اس کے متعلق ہے جو حالتِ احرام میں مر جائے۔

دلیل نمبر۴:

حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں:

ان عبد اللہ بن عمر کفن ابنة واقد بن عبد اللہ ومات بالجحفة محرما وخمر رأسه و وجهه. (موطا امام مالک ص۳۳۳ حدیث نمبر۶۴۲)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے واقد بن عبداللہ حالتِ احرام میں مقام جحفہ میں فوت ہو گئے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے کو کفن دیا اور ان کے سر اور چہرے کو ڈھانپ دیا۔

دلیل نمبر۵:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اذا مات المحرم ذھب احرام صاحبکم.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد۴، ص۳۹۰، حدیث نمبر۱۴۶۴۷)

جب محرم کا انتقال ہو جائے تو اس کا احرام ختم ہو گیا۔

دلیل نمبر ۶:

حضرت اسودؒ روایت کرتے ہیں۔

عن عائشة: انها سئلت عن المحرم یموت؟ فقالت: اصنعوا به کما تصنعون بموتاکم. (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد۴، ص۳۹۰، حدیث نمبر ۱۴۶۴۸)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حالتِ احرام میں مرنے والے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم اس کے ساتھ وہی معاملہ کرو جو تم اپنے (عام) مُردوں کے ساتھ کرتے ہو۔

دلیل نمبر ۷:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

کفن ابنه واقد بن عبد الله و قدمات محرما بالجحفة وخمّر رأسه.

(موطا امام محمد ص ۲۳۷ حدیث نمبر ۵۰۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے واقد بن عبداللہ کو کفن دیا جس وقت وہ حالت احرام میں مقام جحفہ میں انتقال فرما گئے تو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا سر ڈھانپ دیا۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب احادیث کے موافق ہی ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ان روایات میں موجود حکم عام نہیں بلکہ اس شخص کی خصوصیت تھی قرینہ اس کا یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر نہ کی ڈھانپنے کی وجہ یہ بیان نہیں فرمائی کہ وہ شخص محرم ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فان الله یبعثه یوم القیامة ملبیا" کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ تلبیہ کہہ رہا ہوگا جیسا کہ اسی روایت میں موجود ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اسی روایت میں موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینے کا حکم دیا لہٰذا اس شخص کا سر نہ ڈھانپنے کا حکم اس

کے احرام کی وجہ سے ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پانی اور بیری سے غسل کا حکم نہ فرماتے کیونکہ احرام کی حالت میں آدمی پانی اور بیری کے ساتھ غسل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف اسی آدمی کے ساتھ خاص تھا۔

اعتراض نمبر۶۲:

گھر میں جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑنے کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے چار روایات نقل کی ہیں جن میں سے تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو اطلع على قوم بغير اذنهم حل لهم ان يفقأوا عينه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۸، ص۳۹۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی قوم پر بغیر ان کی اجازت کے جھانکے تو ان کے لیے حلال ہے کہ وہ اس آدمی کی آنکھ پھوڑ دیں۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں:

ان ابا حنيفة قال: يضمن. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ (آنکھ پھوڑنے کی صورت میں) ضمان (دیت) دیا جائے گا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی گھر والوں نے بطور تنبیہ کے نہ کہ آنکھ پھوڑنے کے ارادے سے گھر میں جھانکنے والے شخص کو کنکر مارا اور اس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو گھر والوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قال ابو القاسم صلی الله علیه وسلم ان امرأ اطلع علیك بغیر اذن فحذفته بعصاة ففقأت عینه لم یکن علیك جناح.

(بخاری، جلد۲، ص۱۰۲۰، حدیث نمبر۶۹۰۲)

جناب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر (گھر میں) جھانکے پس تو نے اسے کنکر مارا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قصداً آنکھ پھوڑنا درست نہیں ہے لیکن اگر کسی نے اپنے گھر میں جھانکنے والے کو کنکر مارا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس پر دیت بھی نہ ہو اس نے قصداً نہیں بلکہ خطاءً اس کی آنکھ پھوڑی ہے تو اس پر دیت لازم ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

امام ابوحنیفہؒ نے ان احادیث کی مخالفت نہیں کی ہے امام ابوحنیفہؒ ان احادیث کے ظاہر پر عمل نہیں کرتے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ روایات مبالغہ اور زجر (ڈانٹ اور شدت) پر محمول ہیں۔

چنانچہ صاحبِ مظاہرِ حق شرح مشکوٰۃ علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی حنفیؒ (المتوفی ۱۲۸۹ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ظاہر پر امام شافعیؒ کا عمل ہے وہ آنکھ پھوڑنے والے پر سے ضمان کو ساقط قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر ضمان ہے اور حدیث مذکورہ شدید زجر توبیخ پر محمول ہے۔ واللہ اعلم (مظاہر حق جلد۳ ص۶۰۸)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان روایات کا حکم اس طرح ہے۔ جیسے ایک دوسری حدیث میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لقد هممت ان آمر فتیتی فیجمعوا

حزماً من حطب ثم آتی قوماً یصلون فی بیو تھم لیست بھم علة فاحرقها علیھم. (ابوداؤد جلد ۱، ص ۸۱، حدیث نمبر ۵۴۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ اپنے نوجوانوں کو حکم دوں کے کہ وہ لکڑیاں جمع کریں پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بغیر کسی عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں ان کے گھروں کو جلا دوں۔

قارئین کرام! اس حدیث کی وجہ سے کسی کے لیے جائز نہ ہوگا کہ وہ جماعت میں نہ آنے والوں کے گھروں کو جلا دے۔ جیسے یہ حدیث زجر وتوبیخ کے لیے ہے اور گھر میں بلا عذر نماز پڑھنے کی قباحت کو بیان کرنا مقصود ہے ویسے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مذکورہ احادیث میں بھی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکنے کی قباحت اور اس کی برائی کو بیان کیا گیا ہے۔

اعتراض نمبر ۶۳:

بغیر کسی ضرورت کے کتا پالنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے پانچ روایات نقل کی ہیں جن میں سے حضرت سفیان بن ابی زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول من اقتنی کلباً لا یغنی عنه زرعًا ولا ضرعًا نقص من عمله کل یوم قیراط فقیل له انت سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم؟ قال ای و رب هذا المسجد.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ۳۹۶)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص نے کتا پالا نہ تو اس سے کھیتی میں فائدہ حاصل کیا اور نہ ہی جانوروں کی حفاظت میں تو اس شخص کے عمل سے ہر روز ایک قیراط (ثواب) کم ہو جاتا ہے۔ راوی حدیث سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے خود یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو انہوں نے فرمایا۔ ہاں اس مسجد کے رب کی قسم (میں نے خود یہ فرمان سنا ہے)

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ نقل فرماتے ہیں

ان ابا حنيفة قال لا بأس باتخاده. (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ کتا رکھنے (پالنے) میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور احناف کا مؤقف یہ ہے کہ شوقیہ طور پر کتے پالنا جائز نہیں ہے۔ ہاں کسی ضرورت کی بنا پر یا حفاظت کے لیے کتا پالنے کی اجازت ہے۔

چنانچہ امام محمد بن حسن شیبانیؒ (التوفی ۱۸۹ھ) فرماتے ہیں

یکره اقتناء الکلب لغیر منفعة فاما کلب الزرع او الضرع او الصید او الحرس فلا بأس. (موطا امام محمد ص ۳۷۹)

کسی فائدے (ضرورت) کے بغیر کتا پالنا مکروہ (تحریمی) ہے البتہ بکریوں یا کھیتوں کی حفاظت کے لیے پالنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن الکلاب وقال لا یتخذ الکلاب الا صیاد او خائف او صاحب غنم. (طحاوی جلد ۲، ص ۲۱۲، حدیث نمبر ۵۵۹۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے پالنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ شکار (کرنے) والا یا خطرے والا یا بکریوں والا کتا پال سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: من اقتنی کلباً الا کلبا ضاریا لصید او کلب ماشیة فانه ینقص من اجره کل یوم قیراطان.

(بخاری، جلد ۲، ص ۸۲۴، حدیث نمبر ۵۴۸۱)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جس نے شکار کے لیے یا مویشیوں کی حفاظت کی غرض کے علاوہ کتا پالا تو اس کے ثواب میں سے روزانہ دو قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من اقتنى كلبا لا يغنى عنه زرعا ولا ضرعا نقص من عمله كل يوم قيراط.

(مسلم، جلد۲، ص۲۱، حدیث نمبر ۴۰۳۶)

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہیں ہوئے سنا کہ جس آدمی نے کتا پالا جس سے اس کو نہ کھیتی کا فائدہ ہے اور نہ ہی حفاظت کا تو اس کے عمل سے روزانہ ایک قیراط (ثواب) کم ہوتا ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ شوقیہ طور پر کتا پالنا جائز نہیں ہے لیکن ضرورت کی بنا پر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

امام ابوحنیفہؒ نے ان احادیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ امام ابوحنیفہؒ بھی ان احادیث پر عمل کرتے ہیں امام صاحبؒ کے نزدیک بھی بغیر ضرورت کے کتا پالنا جائز نہیں ہے جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے امام صاحبؒ کا جو مذہب نقل کیا ہے اس سے مراد مطلق کتا نہیں بلکہ وہ کتا مراد ہے جو شکار یا کھیتی اور جانوروں کی حفاظت کے لیے پالا جاتا ہے کیونکہ فقہ حنفی کی تمام کتب میں امام ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب نقل کیا گیا ہے اور ایسے کتے کو پالنے کی اجازت خود احادیث میں موجود ہے۔

اعتراض نمبر ٦٤:

تیس سے زائد گائیوں کی زکوٰۃ کا نصاب

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے پانچ روایات نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

بعث النبی صلی الله علیه وسلم معاذا وامره ان یأخذ من کل ثلاثین تبیعاً او تبیعه و من کل اربعین مسنه فسالوه عن فضل ما بینهما فانی ان یأخذ حتی سال النبی صلی الله علیه وسلم فقال: لا تأخذ شیئاً.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو (یمن) بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ہر تیس گائیوں میں ایک تبیعہ (ایک سالہ بچہ) مذکر یا مؤنث (بطور زکوٰۃ) وصول کرے اور ہر چالیس گائیوں میں ایک مسنہ (دوسالہ بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) وصول کرے۔ لوگوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جو (تعداد) ان دونوں کے درمیان ہو (یعنی تیس سے زیادہ اور چالیس سے کم تو زکوٰۃ کیسے ادا کریں) تو انہوں نے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے تک) زائد کی زکوٰۃ لینے کا انکار فرما دیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (تیس سے زائد میں) کچھ بھی وصول نہ کرو۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: فیها بحساب مازاد. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے تیس سے زائد میں بھی زکوٰۃ ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں ایک قول تو وہی ہے جو ابن ابی شیبہؒ نے نقل کی ہے کہ تیس سے زائد پر زکوٰۃ ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ تیس سے زائد گائیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور احناف کا مفتی بہ مذہب ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں

وبھذا نأخذ لیس فی اقل من ثلاثین من البقر زکاۃ فاذا کانت ثلاثین ففیھا تبیع او تبیعۃ والتبیع الجذع الحولی انی اربعین فاذا بلغت اربعین ففیھا مسنہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی والعامۃ.

(موطا امام محمد، ص ۱۷۸)

تیس سے کم گائیوں میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے جب ان کی تعداد تیس ہو جائے تو اس میں ایک تبیع (بچھڑا) یا تبیعہ (بچھڑی) دی جائے گی اور تبیع ایک سال کے بچھڑا ہوتا ہے، چالیس تک یہی حکم ہے۔ جب گائیوں کی تعداد چالیس ہو جائے تو اس میں ایک مسنہ (دو سال کا بچھڑا اواجب) ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور (ہمارے) عام فقہاء کا قول ہے۔

اعتراض نمبر ۶۵:

مسافر کے لیے قربانی کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عاصم بن کلیبؒ اپنے والد سے اور وہ قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحی فی السفر.

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۸، ص ۳۹۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ سفر میں قربانی کی۔ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفۃ قال: لیس علی المسافر اضحیۃ. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ قربانی شہروں میں رہنے والے مقیم اور مالدار بالغ مرد وعورت پر واجب ہے مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ ابن رشد مالکیؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) فرماتے ہیں

قال ابو حنيفة الضحية واجبة على المقيمين فى الامصار الموسرين ولا تجب على المسافرين. (بداية المجتهد جلد۲،ص ۴۳۱،مکتبہ ابن تیمیہ قاہرہ)

امام ابوحنیفہؒ سے فرماتے قربانی شہروں میں مقیم مالدار لوگوں پر قربانی واجب ہے اور مسافروں پر قربانی واجب نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من كان له سعة و لم يضح فلا يقربن مصلانا. (ابن ماجہ ص......،حدیث نمبر ۳۱۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو (قربانی کی) وسعت ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کی طرف نہ آئے۔

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے قربانی کو ضروری (واجب) قرار دیا ہے جس کے پاس وسعت اور گنجائش ہو جبکہ مسافر سفر کی حالت میں خود محتاج ہوتا ہے جبھی تو شریعت نے مسافر کو زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے اگرچہ وہ اپنے مقام میں کتنا ہی مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں

ان عمر بن الخطاب كان يحج فلا يضحى.

(مصنف عبدالرزاق جلد۲،ص ۳۸۲، حدیث نمبر ۸۱۴۰، مکتبہ المجلس العلمی الهند)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج (کا سفر) کرتے تو قربانی نہیں کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۳:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ليس على المسافر اضحية.

(المحلی بالآثار لابن حزم جلد ٦، ص ٣٧، مکتبه دار الكتب العلميه)

مسافر پر قربانی (واجب) نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۴:

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں

كانوا اذا شهدوا ضحوا واذا سافروا لم يضحوا.

(مصنف عبدالرزاق جلد ۴، ص ۳۸۲، حدیث نمبر ۸۱۴۴)

صحابہ کرامؓ جب مقیم ہوتے تو قربانی کرتے تھے اور جب مسافر ہوتے تو قربانی نہیں کرتے تھے۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں

كان اصحابنا يحجون معهم الورق والذهب فلا يضحون ما يمنعهم من ذلك الا ليتفرغوا لنسكهم.

(المحلی بالاثار لابن حزم جلد٦، ص ٣٧، دار الكتب العلميه)

ہمارے اصحاب (یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور ان کے تمام شاگرد) جب حج کرتے تو ان کے پاس سونا چاندی بھی ہوتا پھر بھی وہ قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ وہ اپنی حج کی ادائیگی کے لیے فارغ رہیں۔

قارئین کرام! ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مسافر پر قربانی کرنا واجب نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

امام ابوحنیفہؒ نے ان روایات کی مخالفت نہیں کی، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان روایات سے مسافر کے لیے قربانی کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف جائز ہونا ثابت ہوتا ہے اور حالتِ سفر میں قربانی کے جائز ہونے کے امام ابوحنیفہؒ بھی قائل ہیں۔

اعتراض نمبر ٦٦:

حالت احرام کسی خاتون کو حیض کا آجانا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے دو روایات نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

خرجنا مع البنی صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع موافین لهلال ذی الحجة فقال النبی صلی الله علیه وسلم: من اراد منکم ان یهل بعمرة فلیهل فانی لو لا انی اهدیت لاهللت بعمرة قالت: فکان من القوم من اهل بعمرة و منهم من اهل بحج قالت فکنت انا ممن اهل بعمرة قالت: فخرجنا حتی قدمنا مکة فادرکنی یوم عرفة وانا حائض لم احل من عمرتی فشکوت ذلك الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: دعی عمرتك و انقضی رأسك وامتشطی واهلی بالحج قالت ففعلت فلما کانت لیلة الحصبة وقد قضی الله حجنا ارسل معی عبدالرحمن بن ابی بکر فاردفنی و خرج الی التنعیم فأهللت بعمرة فقضی الله حجنا و عمرتنا لم یکن فی ذلك هدی ولا صدقة ولا صوم. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ٨، ص ٣٩٨)

ہم رسول اکرم صلی اللہ وسلم کے ساتھ ذی الحجہ کے چاند پر حجۃ الوداع کے موقع پر نکلے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی عمرہ کے لیے تلبیہ کہنا چاہتا ہو تو وہ تلبیہ کہہ لے (یعنی عمرہ کرنا چاہے تو پہلے عمرہ کر لے) اگر میں اپنے ساتھ ہدی کا جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو میں بھی عمرہ کے لیے تلبیہ کہتا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قوم میں سے کچھ نے عمرے کے لیے تلبیہ کہا اور ان میں سے بعض نے حج کے لیے کہا۔ فرماتی ہیں کہ میں بھی عمرہ کا تلبیہ کہنے والوں میں سے تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم نکلے یہاں تک کہ مکہ آ پہنچے پس آیا عرفہ کا دن مجھ پر اس حالت میں کہ میں حائضہ تھی اور میں (ابھی تک) اپنے عمرہ سے حلال نہیں ہوئی تھی (یعنی عمرہ مکمل نہ ہوا تھا) تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے عمرے کو چھوڑ دو اور اپنے سر کو کھول کر کنگھی کر لو اور حج کے لیے تلبیہ کہہ لو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے یہ کام کیا۔ پس جب محصب کی رات آئی اور اللہ تعالیٰ نے ہمارا حج پورا کر دیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما کو بھیجا، انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور مجھے تنعیم کی طرف لے کر نکل گئے پھر میں نے عمرہ کے لیے تلبیہ کہا پس اللہ تعالیٰ نے ہمارا حج اور عمرا پورا فرمایا اور اس میں ہدی، صدقہ اور روزہ نہیں تھا (یعنی مجھے کچھ بھی ادا نہ کرنا پڑا)

ان روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال: تکون رافضة للحج و علیها دم و عمرة مکانها. (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ (حیض آنے کی صورت میں عورت) حج (عمرہ) کو چھوڑ دے اور اس پر (عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے) دم لازم ہوگا اور اس کی جگہ اور (دوسرا) عمرہ (بطور قضاء) کرے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی عورت حج کے دنوں میں عمرہ کا

احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئی اس نیت سے کہ میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد حج کا احرام دوبارہ باندھوں گی لیکن عمرہ کا طواف کرنے سے پہلے ہی اس خاتون کو حیض آ گیا اور حج کے ایام شروع ہونے سے پہلے بند نہ ہوا اور خاتون کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ عمرے کا طواف کرنے کے لیے اگر حیض سے پاک ہونے کا انتظار کیا تو حج سے محروم ہو جاؤں گی۔ تو اس صورت میں وہ خاتون عمرے کا احرام توڑ دے اور حج کا احرام الگ سے باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے (کیونکہ حیض کی حالت میں خاتون سوائے حرم میں داخل ہونے اور طواف بیت اللہ کے علاوہ حج کے تمام مناسک ادا کر سکتی ہے) پھر حج مکمل کر لینے کے بعد اس عمرے کی قضاء کرے اور کفارے کے طور پر جانور بھی قربان کرے۔

امام صاحبؒ کے اس موقف سے تین باتیں معلوم ہوئی

(۱) عمرے کا احرام توڑ کر حج کا احرام باندھے

(۲) بعد میں عمرے کی قضاہ کرے

(۳) کفارے کے طور پر جانور قربان کرے۔

امام ابو حنیفہؒ کے موقف کے دلائل ترتیب وار ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل

(۱) عمرے کا احترام توڑنے اور حج کا احرام باندھنے کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایت میں موجود ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرے کا احرام طور توڑ کر دوبارہ حج کا احرام باندھنے کا حکم فرمایا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

فشکوت ذلك الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: دعی عمرتك

وانقضی رأسك وامتشطی وهلی بالحج.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۹۸، حدیث نمبر ۳۷۴۲۳)

میں نے (اپنی حالت کی) خبر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے عمرے کو چھوڑ دو اور سر کو کھول دو اور کنگھی کر لو اور حج کا احرام باندھ لو۔

دلیل نمبر ۲:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے

لم تکن فی ذلك هدی، ولا صدقة ولا صوم.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۳۹۸، حدیث نمبر ۳۷۴۲۳)

(میرے اوپر) اس (معاملے) میں ہدی (یعنی جانور قربان کرنا) صدقہ اور روزہ نہیں تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فرمان سے صاف طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے عمرے کا احرام توڑ کر حج کا احرام باندھا تھا کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا اور اسی احرام میں ہی حج کی نیت کی ہوتی تو یہ حج قران ہوتا، حج قران کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی احرام سے حج اور عمرہ دونوں ادا کر لینا اور حج قران ہونے کی وجہ سے ان پر قربانی لازم ہوتی کیونکہ حج قران کرنے والے پر قربانی کرنا لازم ہے اور اگر قربانی کرنے کی استطاعت نہ ہو تو دس روزے رکھنا ضروری ہے جبکہ اس روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے اس میں نہ جانور قربان کرنا پڑا نہ ہی صدقہ دینا پڑا اور نہ ہی روزے رکھنے پڑے۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انہوں نے عمرے کا احرام توڑ کر حج کا احرام الگ سے باندھا تھا۔

(۲)......عمرہ قضاء کرنے کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

قد قضی اللہ حجنا ارسل معی عبد الرحمن بن ابی بکری فاردفی

وخرج الی التنعیم فاهللت بعمرہ. (مصنف ابن شیبہ جلد۸ص ۳۹۸)

اللہ تعالیٰ نے ہمارا حج پورا کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو بھیجا انہوں نے مجھے ساتھ لیا اور مجھے تنعیم کی طرف لے کر نکلے پھر میں نے عمرہ کے لیے تلبیہ کہا۔

دلیل نمبر۲:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

ارسل معی عبد الرحمن الی التنعیم فاهللت بعمرة مکان عمرتی.

(بخاری جلد۱،ص ۲۳۹،حدیث نمبر۱۷۸۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰنؓ کو میرے ساتھ تنعیم کی طرف بھیجا وہاں سے میں نے عمرے کا تلبیہ کہا (احرام باندھا) اپنے (اس) عمرہ کے بدلے میں (جس کو توڑ ڈالا تھا)

دلیل نمبر۳:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرہ ان یردف عائشة ویعمرھا من التنعیم. (بخاری جلد۱،ص ۲۳۹،حدیث نمبر۱۷۸۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے جائیں اور انہیں تنعیم سے عمرہ کروا کر لائیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج ادا کرنے کے بعد عمرے کی قضاء کی جو انہوں نے توڑ دیا تھا۔

(۳) عمرے کی قضا کرنے کے بعد بطور کفارہ کے قربانی کرنے کے دلائل

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے

انه امر برفض عمرتها وذبح لرفض العمرة بقرة.

(جامع المسانید مترجم جلد۲ص ۳۲۵،حدیث نمبر۱۰۱۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عمرہ ختم کرنے (چھوڑنے) کا حکم دیا اور ان کے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے گائے ذبح کی۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

ذبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عائشته بقرة يوم النحر.

(مسلم جلد ۱، ص ۴۲۴، حدیث نمبر ۳۱۹۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یوم النحر کو ایک گائے ذبح کیا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

ممکن ہے کسی کو اس بات کا شبہ ہو کہ جامع المسانید اور مسلم کی روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے جانور ذبح کیا گیا جبکہ ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ مجھے اس میں نہ جانور ذبح کرنا پڑا نہ ہی صدقہ دینا پڑا اور نہ ہی روزے رکھنے پڑے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایت میں جس قربانی کی نفی ہے وہ حج تمتع کے اعتبار سے ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ دیگر لوگوں نے حج تمتع کیا تھا۔ حج تمتع کہتے ہیں ایک احرام سے عمرہ ادا کر کے پھر دوسرا احرام باندھ کر حج کیا جائے اس لیے انہوں نے قربانی ادا کی جبکہ میں نے بھی حج اور عمرہ کیا لیکن مجھے قربانی نہیں کرنی پڑی وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے حج تمتع نہیں کیا تھا کیونکہ حج تمتع اس میں عمرہ پہلے ادا کیا جاتا ہے اور حج بعد میں جبکہ سید عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج پہلے کیا تھا اور عمرہ بعد میں تو ان کے حج کو کسی بھی صورت میں حج تمتع نہیں کہا جا سکتا لہٰذا معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد حج تمتع کی قربانی کی نفی کرنا ہے۔ عمرے کے کفارہ کے طور پر کی جانے والی قربانی کی نفی مقصود نہیں وہ تو جامع المسانید کی روایت سے صراحتاً ثابت ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ابن ابی شیبہؒ نے جو مرفوع روایت نقل کی ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کے مخالف نہیں ہے بلکہ وہ روایت تو امام صاحبؒ کے مذہب کے مطابق ہے اس روایت سے امام ابو حنیفہؒ کا موقف ہی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لہٰذا ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف احادیث کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۶۷:

امام کے بھولنے پر مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے چھ روایات نقل کی ہیں جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

صلى النبي صلى الله عليه وسلم بالناس ذات يوم فلما قام ليكبر قال ان انساني الشيطان شيئاً من صلاتي فالتسبيح للرجال والتصفيق للنساء.

(مصنف ابن ابی شیبہؒ، جلد ۸، ص ۳۹۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہنے کے لیے کھڑے ہوئے تو فرمایا اگر شیطان مجھے نماز میں کچھ بھلا دے تو مردوں کے لیے تسبیح (یعنی سبحان اللہ) کہنا اور عورتوں کے لیے تصفیق (تالی بجانا) ہے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنيفة كان يقول: لا يفعل ذلك وكرهه (ایضاً)

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نمازی ایسا نہیں کرے گا اور وہ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

جواب:

ابن ابی شیبہؒ نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا جو موقف نقل کیا ہے اس موقف کی نسبت امام ابو حنیفہؒ کی طرف درست نہیں کیونکہ فقہ کی کسی کتاب میں امام صاحبؒ سے یہ موقف نقل

نہیں کیا گیا ہے بلکہ احناف کی تمام کتب فقہ میں یہی مسئلہ نقل کیا گیا ہے جو احادیث میں موجود ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ خود مذکورہ حدیث کو روایت کرتے ہیں اور یہی احناف کے ہاں معمول بہا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت نافعؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم سن فی الصلاة اذا نابهم فيها شیء التسبيح للرجال والتصفيق للنساء.

(مسند ابی حنیفة للحارثی جلد ۱، ص ۴۰، حدیث نمبر ۴۷ دار الکتب العلمیہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں سنت یہ ہے کہ جب تمہیں نماز میں کسی کو کوئی حادثہ پیش آ جائے تو مرد کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور عورتوں کے لیے تصفیق کرنا ہے (یعنی ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی پر مارنا جس سے آواز پیدا ہو)

لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کو ان احادیث کا مخالف بتانا درست نہیں ہے۔

اعتراض نمبر ۶۸:

(ذمی) گستاخ رسول کی سزا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے دو روایات نقل کی ہیں پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں

كان رجل من المسلمين اعمى فكان يأوى الى امرأة يهوديه فكانت تطعمه وتسقيه وتحسن اليه وكانت لا تزال تؤذيه فی رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما سمع ذلك منها ليلة من الليالی قام فخنقها حتى قتلها فرفع ذلك الى النبی صلى الله عليه وسلم فنشد الناس فی امرها فقام الرجل فاخبره انها كانت تؤذيه فی النبی صلى الله عليه وسلم وتسبه و تقع فيه فقتلها لذلك فابطل النبی صلى الله عليه وسلم دمها.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۹۹)

مسلمانوں میں ایک اندھا آدمی تھا وہ ایک یہودی عورت کے گھر میں رہتا تھا وہ عورت اسے کھلاتی پلاتی تھی اور اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھتی تھی لیکن وہ عورت ہمیشہ اس آدمی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے حوالے سے تکلیف دیا کرتی تھی پس جب اس (مسلمان) آدمی نے ایک رات اس عورت (کے منہ) سے یہ باتیں سنیں تو وہ کھڑا ہوا اور اس عورت کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ وہ عورت مرگئی۔ یہ معاملہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے معاملہ میں لوگوں سے پوچھا تو وہ شخص کھڑے ہوئے اور بتایا کہ یہ عورت انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق تکلیف دیتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتی تھی اس وجہ سے اس عورت کو قتل کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے خون کو باطل قرار دیا۔

دوسری روایت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

انه اصلت علی راهب سب النبی صلی الله علیه وسلم بالسیف وقال انا لم نصالحکم علی شتم نبینا. (ایضاً)

انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے ایک راہب پر تلوار سونت لی اور فرمایا ہم نے تمہارے ساتھ اپنے نبی کو گالیاں دینے پر صلح نہیں ہے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: لا تقتل. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں ایسے آدمی کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

جواب:

ابن ابی شیبہؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا جو مذہب نقل کیا ہے وہ درست نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے اور فقہ حنفی کا فتوی بھی یہی ہے کہ جو ذمی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب وشتم کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔

چنانچہ محمد بن علی حصکفی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں

والکافر بسب نبی من الانبیاء فانه یقتل حداً.

(الدرالمختار ص ۳۴۵ مکتبہ دارالکتب العلمیہ)

اور وہ کافر جو نبیوں میں سے کسی نبی کو گالی دے تو اسے بطور حد قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی الحنفی فرماتے ہیں

اجمع عوام اهل العلم علی ان من سب النبی صلی الله علیه وسلم یقتل.

(رد المحتار جلد ٦ ص ۳۷۱)

اہل علم حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے اسے قتل کیا جائے گا۔

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفة واصحابه الخ ای قال انه یقتل یعنی قبل التوبة لا مطلقًا (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں (جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب وشتم کرے) اسے توبہ کرنے سے پہلے قتل کیا جائے گا۔

علامہ ظفر احمد عثمانی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) نقل فرماتے ہیں۔

والحق انه یقتل عندنا اذا اعلن بشتمه علیه السلام.

(اعلاء السنن جلد ۱۲، ۵۳۹، مکتبہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جب کوئی رسول اکرم صلی اللہ وسلم کو علی الاعلان سب و شتم کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ مزید فرماتے ہیں

وبالجملة فلا خلاف بین العلماء فی قتل الذمی او الذمیة اذا اعلن بشتم الرسول او طعن فی دین الاسلام طعنًا ظاهرًا (ایضاً)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذمی مرد یا عورت جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان گالی

دے یا دین اسلام کے بارے میں کھلم کھلا طعن کرے تو ان کے قتل کرنے کے بارے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ناظرین کرام! ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہو گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور بعد کے فقہاء احناف کا مسئلہ مذکورہ احادیث کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۶۹:

تلف شدہ چیز کا ضمان لینا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں۔

جن میں سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

اهدی بعض ازواج النبی صلی الله علیه وسلم الی النبی صلی الله علیه وسلم قصعة فیها ثرید وهو فی بیت بعض ازواجه فضربت القصعة فوقعت فانکسرت فجعل النبی صلی الله علیه وسلم یأخذ الثرید فیرده الی القصعة بیده ویقول کلوا غارت امکم ثم انتظر حتی جاء ت قصعة صحیحة فاخذها فاعطاها صاحبة القصعة المکسورة. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۴۰۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوج نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک پیالہ ثرید بطور ہدیہ بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس وقت) اپنی کسی (دوسری) زوجہ کے گھر تھے تو ان زوجہ نے پیالے کو مارا وہ گرا اور ٹوٹ گیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثرید کو پکڑا اور اپنے ہاتھ سے پیالے میں (دوبارہ) ڈالا اور فرمایا کھاؤ تمہاری ماں غارت ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار فرمایا یہاں تک کہ صحیح پیالہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لیا اور ٹوٹے ہوئے پیالے کی مالکن کو دے دیا۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفة قال بخلافه: وقال علیه قیمتها. (ایضاً)

اور امام ابو حنیفہؒ کا قول اس کے مخالف تھے اور فرمایا کہ توڑنے والے پر اس کی قیمت واجب ہوگی۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف نقل کرنے میں ابن ابی شیبہ سے تسامح ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا موقف ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کے موافق ہی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے موقف کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ضمان کے باب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی کی کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا عوض بالمثل یعنی تلف شدہ چیز جیسا ہی ہونا چاہیے اگر بعینہ ویسا ملنا محال ہو تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ ضمان کے باب میں یہ ایک اصولی قاعدہ ہے اور اس اصولی قاعدے کے موافق ہی تمام اشیاء کے ضمان کا فیصلہ ہوگا چنانچہ مذکورہ حدیث میں بیان ہونی والی صورت میں امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ ٹوٹ جانے والے پیالے کی طرح کوئی دوسرا پیالہ میسر ہو تو وہی پیالہ لے کر دینا ہوگا جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ دوسرا پیالہ بعینہٖ میسر تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے کے بدلے میں پیالہ ہی دے دیا لیکن اگر ٹوٹ جانے والے پیالے کی جگہ بعینہٖ دوسرا پیالہ میسر نہیں ہے تو اس پیالے کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

قارئین کرام! اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا موقف حدیث کے موافق ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے جو مذہب نقل کیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب تلف شدہ چیز کا مثل صوری موجود نہ ہو اگر مثل صوری موجود ہے تو امام ابو حنیفہؒ کا موقف بھی وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے۔

اعتراض نمبر ۰ ۷:

بیع عرایا کا مسئلہ

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہ نے دو روایات نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

اخبرنی زید بن ثابت: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی العرایا.

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۸، ص ۴۰۰)

فرماتے ہیں کہ مجھے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بات کی خبر دی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرایا (درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے ہدیہ کو کٹی ہوئی کھجوروں سے بدلنے) میں رخصت دی ہے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: لا یصلح ذلك. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں (عرایا میں) یہ معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔

جواب:

یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو خشک کھجوروں کے ساتھ اندازہ کر کے بیچنا درست ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کے موقف کی تفصیل یہ ہے کہ خرید فروخت کے معاملات میں ایک ہی جنس کی دو اشیاء کا ایک دوسرے کے ساتھ ادھار یا کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے لہٰذا ایک جنس کے ساتھ اسی جنس کے تبادلے کی ہر صورت ناجائز ہے۔ انہیں ناجائز صورتوں میں سے ایک صورت بیع مزابنہ کی ہے۔ بیع مزابنہ کہتے ہیں کہ کوئی آدمی اپنے باغ کے کسی درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کی مقدار اندازہ کر کے انہیں کٹی ہوئی خشک کھجوروں کے بدلے میں بیچ دے تو اس صورت میں قوی احتمال ہے کہ کٹی ہوئی کھجوروں کے مقابلے میں کمی یا زیادتی واقع ہو اس لیے شریعتِ اسلامیہ نے اس صورت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهى عن المزابنة والمزابنة بيع الثمر بالتمر كيلا و بيع الزبيب بالكرم كيلا.

(بخاری جلد ا،ص ۲۹۰،حدیث نمبر ۲۱۷۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی کھجور خشک کھجور کے بدلے میں ناپ کر بیچی جائے اسی طرح انگور کو منقی سے بدل کر بیچا جائے۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم: عن المزابنة والمحاقلة والمخابرة وعن بيع الثمرة حتى تشقح. (مسلم،جلد ۲،ص ۱۱،حدیث نمبر ۳۹۱۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیع) مزابنہ ،محاقلہ،مخابرہ اور پھلوں کی بیع سے منع فرمایا جب تک کہ وہ سرخ، زرد اور کھانے کے قابل نہ ہو جائے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف احادیث کے موافق ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ابن ابی شیبہؒ نے جو روایات نقل کی ہیں امام ابوحنیفہؒ نے ان روایات کی مخالفت نہیں کی ہے کیونکہ ان روایات میں عرایا کی اجازت کا ذکر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرایا کی اجازت دی ہے اور عرایا کے بارے میں ابن ابی شیبہؒ کو امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نقل کرنے میں بھول واقع ہوئی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ بھی عرایا میں جواز کے قائل ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عرایا بیع کی قسم ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک قسم کا ہدیہ ہے۔

عرایا کا مطلب:

عرایا عـــریة کی جمع ہے اور لغت میں اس کا معنی عطیہ یا ہبہ کے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دوسرے کو چند درخت پھل کھانے کے لیے بطور ہبہ کے دے اور ان کی ملکیت اپنے پاس رکھے پھر اس شخص کے اپنے باغ میں بار بار آنے

جانے کی وجہ سے تنگ ہو جائے تو اس شخص کو درخت پر لگے ہوئے پھلوں کی جگہ اتارے ہوئے پھل دے دے تو اسے عریہ کہتے ہیں۔

اس صورت میں امام صاحبؒ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والے نے ایک چیز ہبہ کرنے کے بعد موہوب لہ (جس آدمی کو ہبہ کیا گیا ہے) کے قبضے میں جانے سے پہلے ہی واپس لے لی اور اس کے بدلے دوسری چیز ہبہ کر دی ہے۔ کیونکہ پہلی چیز موہوب لہ کے قبضہ میں نہیں گئی تھی اس لیے کہ ابھی وہ ان درخت پر لگے ہوئے کھجوروں کا مالک نہیں ہوا ہے لہٰذا ہبہ کرنے والے نے جب اپنی پہلی چیز واپس لی تو وہ اس کی اپنی ہی ذاتی چیز تھی نہ کہ موہوب لہ کی۔ جب اس نے اپنی ہی ایک چیز واپس لی اور اس کے بدلے دوسری چیز دے دی تو اس میں تبادلہ نہ رہا یعنی یہ بیع نہیں ہے جب بیع نہیں ہے تو اگر اس لین دین میں کمی بیشی ہو جائے تو وہ ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں

عن ابی حنیفة قال معنی ذلك عندنا ان یعری الرجل الرجل ثمر نخلة من نخلة فلا یسلم ذلك الیه حتی یبدو له فرخص له ان یحبس ذلك ویعطیه مکانه خرصه تمرا. (طحاوی جلد۲، ص۱۹۸، مکتبہ رحمانیہ)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے درخت کا پھل بطور عطیہ کسی دوسرے کو دے اور پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے اس کے حوالے نہ کرے تو اس (واہب) کو اجازت ہے وہ اس عطیہ کو روک کر اس کی جگہ اندازہ کر کے کھجوریں دے دے۔

ان تمام گفتگو سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حدیث کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کے نزدیک عریہ جائز اور درست ہے۔

اور عرایا کو امام ابوحنیفہؒ بیع تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک یہ ہبہ اور عطیہ ہے اور یہی معنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

چنانچہ امام طحاوی نقل فرماتے ہیں:

قال زيد بن ثابت رخص فی العرایا فی النخلة والنخلتین توهبان للرجل.
(طحاوی جلد۲،ص۲۰۰،حدیث نمبر۵۴۵۲)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو درختوں میں عریہ کی اجازت دی ہے۔(عریہ کا معنی یہ ہے) کہ وہ کسی آدمی کو بطور ہبہ دے دیے جائیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عریہ کا معنی ہبہ ہے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سفیان بن حسینؒ سے بھی عریہ کی وہی تفسیر منقول ہے جو امام ابو حنیفہؒ نے کی ہے۔(بخاری جلد۱،ص۲۹۲)

ناظرین کرام! یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ بھی عرایا کے جواز کے قائل ہیں اس کے جائز ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اختلاف صرف عرایا کی تفسیر میں ہے اور امام ابو حنیفہؒ اس کی تفسیر عطیہ اور ہدیہ سے کرتے ہیں کہ عرایا بیع نہیں بلکہ ایک قسم کا ہدیہ ہے اور یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے اس تفسیر سے تمام روایات میں اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔اگر عرایا کو بیع کی قسم مانا جائے تو اس کی مشابہت بیع مزابنہ سے ہوتی ہے اور بیع مزابنہ شریعت ممنوع ہے۔

اعتراض نمبر۱۷:

چار سے زائد بیویوں کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے ایک روایت نقل کی ہے۔جس کے الفاظ یہ ہیں

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

ان غیلان بن سلمة اسلم وعنده نسوة فامره النبی صلی الله علیه وسلم ان یختار منهن اربعاً. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۸،ص۴۰۰)

غیلان بن سلمہ اسلام لائے تو ان کے پاس آٹھ عورتیں (بیویاں) تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار کو اختیار کرلو۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: الاربع الاول. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں پہلی چار عورتیں (بیویاں) نکاح میں رہیں گی۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دارالحرب میں حالت کفر میں ہو اور اس کی چار سے زائد بیویاں ہوں اور پھر وہ اسلام قبول کر لے تو وہ پہلی چار بیویاں اس کے نکاح میں رہیں گی باقیوں کو اسے چھوڑنا ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر۱:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتَامٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلَاثَ وَرُبٰعَ (سورۃ النساء آیت نمبر۲)

تم نکاح کرو جو عورتیں تم کو پسند ہوں دو دو تین تین چار چار۔

دلیل نمبر۲:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

اسلم غیلان بن سلمة وتحته عشرة نسوة فقال له النبی صلی اللہ علیه وسلم خذ منهن اربعاً. (ابن ماجہ، ص۱۴۰، حدیث نمبر۱۹۵۳)

غیلان بن سلمہ نے اسلام قبول کیا اور ان کے نکاح میں دس عورتیں تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے چار کو رکھ لو۔

دلیل نمبر۳:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

یا خذ الاولی والثانیة والثالثة والرابعة.

(طحاوی جلد۲، ص۱۴۳، حدیث نمبر۵۱۴۲)

کہ (چار سے زائد بیویوں والا) وہ پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی کو رکھ لے۔

ان دلائل کے پیش نظر امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام میں صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر پہلی چار بیویوں کے بعد پانچویں کے ساتھ نکاح منعقد ہوتا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی اس حالت میں اسلام قبول کرے کہ اس کے پاس چار سے زائد بیویاں ہوں تو اسے یہ اختیار نہیں کہ اپنی پسند کی چار رکھے باقی کو چھوڑ دے بلکہ پہلی چار ہی اس کے نکاح میں رہیں گی اور باقیوں کو چھوڑنا ہوگا۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے خلاف نہیں اور نہ ہی امام ابوحنیفہؒ نے اس روایت کی مخالفت نہیں کی ہے کیونکہ اس روایت سے صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ وہ شخص صرف چار بیویاں رکھ سکتا ہے اور امام ابوحنیفہؒ بھی اس کے قائل ہیں اس روایت سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا ہے کہ وہ شخص ان میں سے چن کر اپنی من پسند چار بیویاں رکھے۔

اعتراض نمبر۲۷:

بیع میں شرط لگانے کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے

اراد اھل بریرہ ان یبیعوھا ویشترطوا الولاء فذکرت ذلك للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اشتریھا واعتقھا فان الولاء لمن اعتق.

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۸، ص ۴۰۰)

جناب بریرہؓ کے مالکوں نے انہیں بیچنے کا ارادہ کیا اور ولاء کی شرط لگائی تو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو خرید لو اور اس کو آزاد کردو کیونکہ ولاء اسی کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: هذا الشراء فاسد لا یجوز. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں بیع میں یہ (شرط) فاسد ہے (ایسی شرط بیع میں لگانا) جائز نہیں ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ بیع میں ایسی شرط لگانا جو بیع کے تقاضوں کے خلاف ہو اور اس سے کسی ایک فریق کا فائدہ ہو تو یہ شرط اور بیع فاسد ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔

وکل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لاحد المتعاقدین او للمعقود علیه وهو من اهل الاستحقاق یفسده. (ہدایہ جلد ۳، ص ۶۱)

اور ہر وہ شرط جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک یا معقود علیہ کا نفع بھی ہو جب کہ معقود علیہ استحقاق کا اہل ہو تو وہ شرط عقد کو فاسد کر دے گی۔

اور دوسرا یہ کہ ولاء کا حق اس کے لیے ہوگا جو غلام کو آزاد کرے گا۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں:

وبهذا نأخذ الولاء لمن اعتق لا یتحول عنه وهو کالنسب وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا. (موطا امام محمد، ص ۳۴۶)

ہم اسی بات کو اختیار کرتے ہیں کہ ولاء کا حق اسے ہی ہے جو اسے آزاد کرے یہ حق اس سے منتقل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ (حق) نسب کی طرح ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور ہمارے فقہاء کا قول ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لا یحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع. (طحاوی جلد ۲، ص ۲۰۶، حدیث نمبر ۵۵۳۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرض اور بیع حلال نہیں ہے اور بیع میں دو شرطیں

درست نہیں ہیں۔

بیع بذات خود ایک شرط ہے جب اس میں اپنی طرف سے کوئی مزید شرط لگا دیں تو سودے میں دو شرطیں ہو جائیں گی اسی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

دلیل نمبر ۲:

عن النبی صلی الله علیه وسلم: نهی عن بیع و شرط.

(نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۱۹۰، بحوالہ خزائن السنن جلد ۲ ص ۱۰۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا۔

دلیل نمبر ۳:

عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے مروی ہے

اشتری من امرأته الثقفية جارية واشترطت عليه انك ان بعتها فهی لی بالثمن الذی تبيعها به فاستفتی فی ذلك عمر بن الخطاب فقال لا تقربها وفيها شرط لاحد. (موطا امام محمد، ص ۳۴۳، حدیث نمبر ۷۸۹)

عبداللہ بن مسعود نے اپنی بیوی زینب ثقفیہ سے ایک لونڈی خریدی تو بیوی نے یہ شرط لگا دی کہ اگر تم نے اسے فروخت کرنا ہو تو مجھ سے ہی اس قیمت میں فروخت کرنا جس قیمت میں تم فروخت کرو تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھی تو انہوں نے فرمایا اس لونڈی کے قریب نہ جانا (یعنی صحبت نہ کرنا) جبکہ اس (بیع) میں کسی قسم کی شرط موجود ہو۔

معلوم ہوا کہ یہ بیع شرط کی وجہ سے درست نہیں ہے جبھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بیع کو نافذ قرار نہیں دیا ورنہ وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس باندی کے قریب جانے سے نہ روکتے۔

دلیل نمبر ۴:

حضرت نافعؒ روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر قال: لا يحل فرج الا فرج ان شاء صاحبه باعه وان شاء وهبه وان شاء امسكه لا شرط فيه. (طحاوی جلد۲،ص ۲۰۷،حدیث نمبر ۵۵۴۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوئی فرج حلال نہیں مگر ایک فرج اگر اس کا مالک چاہے تو اسے فروخت کردے اور اگر چاہے تو اس کو اسے ہبہ کردے اور اگر چاہے تو اس کو روکے رکھے اور اس میں کوئی شرط نہ ہو۔

دلیل نمبر ۵:

حضرت نافع سے مروی ہے

عن ابن عمر انه كان يكره ان يشترى الرجل الامة على ان لا يبيع ولا يهب (طحاوی جلد۲،ص ۲۰۷،حدیث نمبر ۵۵۴۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ آدمی باندی کو اس شرط پر خریدے کہ وہ نہ اسے فروخت کرے گا اور نہ ہی ہبہ کرے گا۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ان روایات سے امام ابوحنیفہؒ پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ روایات امام صاحبؒ کے مخالف نہیں بلکہ ان روایات سے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہی ثابت ہوتا ہے۔ امام صاحبؒ کا مذہب اور اس کے دلائل گزر چکے ہیں کہ بیع میں شرط لگانا درست نہیں ہے اس کی وجہ سے شرط اور بیع دونوں باطل ہے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط کو باطل قرار دیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع کو باقی رکھا۔ تو اس اعتراض کا جواب یہ کہ یہ حکم پہلے کا ہے جس کو بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط اور بیع دونوں کو باطل قرار دیا جیسا کہ دلیل نمبر ۲ کے تحت روایت گزر چکی ہے۔

اعتراض نمبر ۳۷:

تیمّم میں کتنی ضربیں ہیں

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں، جن میں سے پہلی روایت کے

الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال التیمم ضربۃ للوجہ والکفین.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸، ص ۱۷۰)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم میں ایک ضرب چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے ہے۔

ان روایات کو نقل کرنے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔

ان ابا حنیفۃ قال: ضربتین لا تجزئۃ ضربۃ. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں (تیمّم میں) دو ضربیں ہیں، ایک ضرب کافی نہیں ہوتی۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف صحیح احادیث کے موافق ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التیمم ضربتان ضربۃ للوجہ و ضربۃ للیدین الی المرفقین. (دارقطنی جلد ۱، ص ۴۱۸، حدیث نمبر ۶۷۳، مکتبہ دار المعرفہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم میں دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے کہنیوں تک۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التیمم ضربۃ للوجہ وضربۃ للذراعین الی المرفقین. (دارقطنی جلد ۱، ص ۴۲۰، حدیث نمبر ۶۷۹)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیمّم میں ایک ضرب چہرے کے لیے ہے اور ایک

ضرب کلائی سے لیکر کہنیوں تک کے لیے ہے۔

دلیل نمبر۳:

حضرت اسلع تمیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

کنت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فقال لي يا اسلع قم فارحل لنا قلت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اصابتني بعدك جنابة فسكت عني حتى جبرائيل بآية التيمم فقال لي يا اسلع قم فتيمم صعيدًا طيبًا ضربتين ضربة لوجهك وضربة لذراعيك ظاهرهما وباطنهما.

(طحاوی جلد۱،ص۸۰،حدیث نمبر۶۵۳)

میں ایک سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کھڑے ہوجاؤ اور ہمارے لیے کجاوا باندھو تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ کے بعد جنابت لاحق ہوگئی ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں خاموش ہوگئے یہاں تک کہ حضرت جبرائیل آیت تیمّم لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے اسلع کھڑے ہوجاؤ اور پاک مٹی سے تیمّم کرو (تیمّم میں) دو ضربیں ہیں ایک ضرب تیرے چہرے کے لیے اور ایک ضرب تیرے بازو کے ظاہر اور باطن کے لیے۔

دلیل نمبر۴:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ضربتان ضربة للوجه وضربة للذراعين.

(دارقطنی،جلد۱،ص۴۲۲،حدیث نمبر۶۸۳)

(تیمّم میں) دو ضربیں ہیں ایک ضرب چہرے کے لیے اور ایک ضرب دونوں بازوؤں کے لیے۔

دلیل نمبر۵:

حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے۔

ضربة للوجه والكفين وضربة للذراعين الى المرفقين۔

(طحاوی جلد ا،ص ۸۰،حدیث نمبر ۶۵۹)

(تیمّم میں) ایک ضرب چہرے اور ہتھیلیوں کے لیے اور دوسری ضرب کہنیوں سمیت بازوؤں کے لیے۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۴۷:

وکیل کا مؤکل کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے دو روایات نقل کی ہے ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں

حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان النبی صلی الله علیه وسلم اعطاه دیناراً لیشتری به شاة فاشترنی به شاتین فباع احداهما بدینار واتی النبی صلی الله علیه وسلم بدیناراً وشاة فدعا له النبی صلی الله علیه وسلم بالبرکة فی بیعه فکان لو اشتری ترابًا لربح فیه. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸،ص ۴۰۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ سلم نے انہیں ایک دینار دیا تا کہ وہ اس کے ذریعے ایک بکری خرید لائیں انہوں نے اس کے ذریعے دو بکریاں خریدیں پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار کی فروخت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اس خریداری پر برکت کی دعا کی پھر (اس دعا کی برکت سے) یہ صحابی اگر مٹی بھی خریدتے تو اس میں بھی نفع کماتے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنیفة قال: یضمن اذا باع بغیر امره (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جب موکل کے حکم کے بغیر وکیل بیع کرے تو وہ ضامن ہوگا۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف عام مشہور قاعدے پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنی طرف سے کوئی چیز خریدنے کے لیے وکیل مقرر کرے تو جب وہ چیز وکیل خرید لے گا تو وہ چیز براہ راست موکل کی ملکیت میں آجاتی ہے اور وکیل کے پاس وہ چیز اب بطور امانت ہوتی ہے اس لیے اب موکل کی اجازت کے بغیر وکیل کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں کسی بھی قسم کا تصرف کرے لہٰذا اگر اس نے موکل (مالک) کی اجازت کے بغیر وہ چیز فروخت کی تو وہ یعنی وکیل اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ہاں اگر موکل (مالک) خود تصرف کو جائز اور درست قرار دے دے تو وکیل کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا

امام ابوحنیفہؒ کا یہ موقف کسی صحیح حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ امام صاحب کا مذہب ہے کہ اگر موکل تصرف کو جائز اور صحیح قرار دے تو پھر وکیل پر کوئی ضمان نہ ہوگا اور مذکورہ روایات میں واضح طور پر موجود ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس تصرف کو درست قرار دیا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ لہٰذا امام صاحبؒ کا مذہب ان احادیث کے موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۷۵:

نماز میں رکوع اور سجود اطمینان سے کرنے کا حکم

اس مسئلہ میں ابن ابی شیبہؒ نے تین روایات نقل کی ہیں جن میں سے پہلی روایت کے الفاظ یہ ہیں

ابو مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں

قال النبی صلی الله علیه وسلم: لا تجزئی صلاة لا یقیم الرجل صلبه

فيها في الركوع والسجود. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۴۰۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نماز کفایت نہیں ہے جس میں آدمی رکوع اور سجود میں اپنی کمر (پشت) کو سیدھا نہ رکھے۔

ان روایات کو نقل کرنے کے بعد ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں

ان ابا حنيفة قال: تجزئه وقد أساء. (ایضاً)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں اس کی نماز درست ہو جائے گی (لیکن) اس نے (یہ کام) برا کیا ہے۔

جواب:

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ نماز میں تعدیل ارکان فرض نہیں بلکہ واجب ہے یعنی اگر کوئی شخص رکوع اور سجود اچھی طرح ادا نہ کرے تو اس کے ذمے سے فرض ساقط ہو جاتی ہے لیکن واجب الاعادہ رہتی ہے۔ لیکن رکوع اور سجود اچھی طرح ادا نہ کرنے سے نماز بالکل باطل نہیں ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل

دلیل نمبر ۱:

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو جالس في المسجد يوما اذ جاءه رجل كالبدوى فصلى فاخف صلاته ثم انصرف فسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فقال النبى صلى الله عليه وسلم و عليك فارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصلى ثم جاء فسلم عليه فقال وعليك فارجع فصل فانك لم تصل ففعل ذالك مرتين او ثلاثا كل ذلك ياتى النبى صلى الله عليه وسلم فيسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فيقول النبى صلى الله عليه وسلم وعليك فارجع فصل فانك لم تصل فخاف الناس و كبر عليهم ان يكون من اخف صلاته لم يصل فقال الرجل فى آخر ذلك فارنى وعلمنى

فانما انا بشر اصیب واخطئ فقال اذا قمت الی الصلوة فتوضأ کما امرك الله ثم تشهد فاقم ایضا فان کان معك قرآن فاقرأ والا فاحمد الله وکبره وهلله ثم ارکع فاطمئن راکعًا ثم اعتدل قائمًا ثم اسجد فاعتدل ساجدًا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم ماذا فعلت ذلك فقد تمت صلا تك وان انتقصت منه شیئًا انتقصت من صلاتك. (ترمذی جلد ا،ص ٦٦،حدیث نمبر ٣٠٢)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ کے ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص آیا اور اس نے نماز پڑھی اور بہت جلدی نماز پڑھی پھر آپ صلی اللہ علیہ کی طرف آیا اور سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر بھی سلامتی ہو (اور فرمایا کہ) واپس اور دوبارہ نماز پڑھو تم نے نماز ادا نہیں کی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تم پر بھی سلام ہو واپس پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی تو لوگ ڈرے اور ان پر یہ بات بڑی (گراں) گزری کہ جس نے ہلکی نماز پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوتی تو اس آدمی نے عرض کیا آپ مجھے نماز (پڑھ کر) دکھا دیجئے اور مجھے (نماز) سکھا دیں پس میں انسان ہی ہوں میں صحیح بھی کرتا ہوں اور مجھ سے خطا بھی ہوتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو (پہلے) وضوء کرو جیسا کہ اللہ نے وضوء کا حکم دیا ہے پھر آذان دو پھر تکبیر کہو اور اگر تمہیں کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھو پھر خوب اطمینان سے رکوع کرو پھر سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو اور خوب اعتدال سے سجدہ کرو پھر خوب اطمینان سے بیٹھو پھر اٹھو پھر جب تم نے ایسا کر لیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی اور اگر تم نے اس میں کوئی کمی کی تو تم نے اپنی نماز میں کمی کی (یعنی نماز ناقص کر لی۔)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع وسجود اچھی طرح نہ کرنے والے کی نماز کو باطل اور فاسد قرار نہیں دیا بلکہ ناقص قرار دیا ہے۔

اور اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یہی مطلب سمجھا ہے چنانچہ اس حدیث کے راوی حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

وكان هذا اهون عليهم من الأول انه من انتقص من ذلك شيئاً انتقص من صلاته و لم تذهب كلها. (ترمذی، جلد ۱، ص ۶۶)

تو یہ بات انہیں (صحابہ کرامؓ کو) پہلے سے زیادہ آسان لگی کہ جس نے اس میں کچھ کمی کی تو اس نے اتنی ہی اپنی نماز سے کمی کی نہ کہ پوری نماز ہی باطل ہوگئی۔

دلیل نمبر ۲:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان رسول الله صلى الله عليه سلم قال: اسوأ الناس سرقة الذى يسرق صلاته قالوا يا رسول الله كيف يسرقها؟ قال لا يتم ركوعها ولا سجودها.

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱، ص ۳۲۲، حدیث نمبر ۲۹۷۷)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ نماز میں چوری کیسے کرے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کا رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے (وہ نماز کا چور ہے)۔

اس روایت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجود اچھی طرح نہ کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی اور انہیں نماز کا چور کہا ہے لیکن ان کی نماز کو باطل قرار نہیں دیا۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف احادیث کے موافق ہے کہ تعدیل ارکان نماز میں فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب کے ترک سے نماز باطل نہیں ہوتی اس وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو شخص نماز میں رکوع اور سجود اچھی طرح نہیں کرتا تو اس کی نماز تو ہو جائے گی اس کا فرض تو ساقط ہو جائے گا پر واجب کے چھوڑنے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی لیکن ایسا فعل کرنا برا ہے۔

ابن ابی شیبہؒ کی نقل کردہ روایات کا جواب:

یہ روایات امام ابوحنیفہؒ کے مخالف نہیں اور نہ ہی امام صاحبؒ نے ان روایات کی مخالفت

کی ہے کیونکہ روایات میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ رکوع اور سجود اچھی طرح نہ کرنے والوں کی نماز باطل ہے بلکہ ان احادیث میں تو اس بات کا ذکر ہے کہ ایسا کرنے والوں کی نماز ناتمام اور ناقص ہے جس سے تعدیل ارکان یعنی رکوع اور سجود کا اچھی طرح کرنے کا وجوب ثابت ہو رہا ہے نہ کہ فرضیت اور وجوب کے ترک سے نماز باطل نہیں ہوتی اور امام ابوحنیفہؒ بھی اس کے قائل ہے جیسا کہ تفصیل آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت

ادارۃ النعمان

پیپلز کالونی، گوجرانوالہ

فون نمبر: 0321-6439313